انتظار حسین
بانو بک ڈپو آصف علی روڈ نئی دہلی

خاتون

(ایک ناول)

انتظار حسین

اس ناول کے تمام کردار۔ مقامات۔ واقعات اور ادارے فرضی ہیں۔ اور ان کا کسی شخص جگہ موقعہ یا ادارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کسی فرد مقام یا ادارے سے مطابقت قطعی اتفاقیہ ہے۔ اور اس کے لئے مصنف یا پبلشرز کسی طرح کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے۔

بانو بک ڈپو آصف علی روڈ نئی دہلی۔

قیمت تین روپے

زیر اہتمام انور دہلوی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھاپی گئی۔

پہلا ایڈیشن۔

پہلی بار ——— ایک ہزار ——— جنوری سنہ ۱۹۶۳ء

محمود ریاض کے نام

انتصار حسین

پہلا باب

بستی کے گھروں کے چراغ روشن ہونا شروع ہوئے۔ گلیاں اور سڑکیں ویران ہونے لگیں۔ رات کی سیاہ چادر دور تک اپنے دامن میں سارے اجالوں کو سمیٹنے لگی۔ اندھیرا جتنا جتنا پھیلتا گیا۔ اس چھوٹی سی دنیا کا شور و غل اتنا ہی سناٹے اور اداسی سے بدلنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ مہیب خاموشی ساری بستی پر مسلّط ہو گئی۔ اپنے گھروں میں سرِ شام لوٹنے والے لوگ پہنچ چکے۔ چھوٹی اور بڑی منزلوں کی مسافت طے کرنے کے بعد ان کے گھروں نے اسی طرح انھیں اپنی آغوش میں لیا تھا۔ جیسے ایک ماں رات ہونے پر اپنے بچے کو چھاتی سے لگا کر اطمینان کا سانس لیتی ہے۔

بستی سے ملحقہ پختہ سرکاری سڑک پر دور دور تک کسی سواری کا پتہ نہ تھا۔ پیپل اور برگد کے جن درختوں کے درمیان سے بستی کا کچا راستہ سرکاری سڑک سے کٹتا تھا۔ اس پر لا وارث کتے بھونک رہے تھے اور ہر طرف ایک ہو

کا عالم طاری تھا۔

تقریباً ۴ ہزار کی آبادی پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی کا نام سراج نگر تھا۔ جو چاروں طرف سے آم کے باغوں سے گھری ہوئی تھی۔ انھیں باغوں سے ملے ہوئے کھیت تھے۔ ان کے کنارے کنارے پگڈنڈیاں بنی ہوئی تھیں۔ اور جو بل کھاتی ہوئی ان جگہوں سے مل گئی تھیں۔ جن کی پہونچ مختلف محلوں تک تھی۔ یہاں وہ چھوٹے چھوٹے تالاب تھے۔ ایک بازار تھا۔ پچاس میٹھے اور کھاری پانی کے کنویں تھے۔ اور بستی کے چار ہزار افراد اپنی ضرورتیں پوری کر لیا کرتے تھے۔

یہاں ایک چھوٹا سا معاشرہ تھا۔ چھوٹے بڑے مختلف خاندان تھے۔ طبقاتی جنگ تھی۔ سماج دشمن عناصر تھے۔ لیکن بستی سے پیار اور اس کی محبت اچھے اور برے سب ہی لوگوں کو تھی۔ اور ان میں سے کوئی سراج نگر کی برائی نہ سن سکتا تھا۔

اس بستی کے ایک گھر میں دو خوبصورت آنکھیں کسی کی راہ تک رہی تھیں۔ اندھیرا جتنا جتنا بڑھ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں کا انتظار بھی بڑھتا جاتا تھا۔

سراج نگر ایک مشہور شہر کی قربت کی وجہ سے اپنے گرد و نواح میں بہت مشہور تھا۔ اس شہرت کی دو ہی وجہیں ہو سکتی تھیں۔ اول تو یہ کہ ان دونوں کے درمیان لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بے دریغ تھا۔ سراج نگر سے جو لوگ صبح ہی صبح شہر جاتے تھے۔ وہ شام تک اپنے گھروں میں لوٹ آتے تھے۔ بہت سے شرفا ترک وطن کر چکے تھے۔ مگر انھوں نے بھی سراج نگر کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اور خاص خاص موقعوں پر یہاں آکر بستی کی رونق میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ یہاں کی چھوٹی

چھوٹی گلیاں ان کے قدموں سے منور ہوتیں - تو بہت سی آنکھیں اپنے گھروں کے دروازوں پر آکر انھیں تکنے لگتیں - یہ ذی مرتبت لوگ شہر میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے - عالیشان بنگلوں میں رہتے تھے - ان کی زندگی میں ہزاروں تکلفات شامل ہو چکے تھے - کبھی کبھی تو یہ لوگ سراج نگر کی گلیوں میں آکر جہاں ان کا بچپن مختلف یادوں کی شکل میں موجود تھا - اپنے عہدوں اور منصبوں کو بھول جاتے ـــ
سراج نگر کے بانی سراج الدین کی حویلی سال بھر تک نوکروں کی سپردگی میں ویران پڑی رہتی ـــ ایک مالی اور چوکیدار اس حویلی کے اردگرد نظر آتے ـــ مالی اپنی مرضی سے مختلف قسم کے پھولوں کی نشوونما کیا کرتا - جس زمانہ کا یہ ذکر ہے اس زمانے میں مالی کو سراج ٹرسٹ سے تیس روپے ماہوار ملتے تھے - اور وہ اس حد تک مطمئن تھا کہ اپنا گذارہ کرنے کے بعد وہ لوگوں کو قرض بھی دیا کرتا تھا جبکہ یہی عالم چوکیدار کا تھا - وہ جمعہ کے دن حویلی کا تالا کھولتا، پھر اندر جاکر سارے دروازوں، اور کھڑکیوں کو کھول دیتا - جو تعداد میں ایک سو پچاس تھے - سارے کمروں کو دھوپ دیتا - فرش صاف کرتا - تمام چیزوں پر سے گرد جھاڑتا - اور پھر نماز سے پہلے پہلے حویلی کو مقفل کر دیتا - مگر اس کا اصل کام رات بھر جاگ کر پہرہ دینا تھا - نو بجے رات سے وہ ڈنڈا اور لالٹین لے کر حویلی کے اردگرد چکر لگانا شروع کر دیتا - اور تمام بستی کے سونے والوں سے پکار پکار کر کہتا تھا -

"جاگتے رہو"

سراج الدین خود تو اس دنیا میں نہ تھے - مگر ان کا اور خاندان موجود تھا - اس خاندان کے لوگ جب کبھی سراج نگر میں آجاتے - اور وہ اکثر آیا کرتے تھے - تو

یہاں کے لوگوں کا موضوع گفتگو ابھر آتا تھا۔ باتیں ان کی چال ڈھال اور لباسوں پر ہوا کرتیں۔ اس خاندان میں سب ہی قسم کے لوگ تھے۔ ہر عمر کے، ہر خیال کے، اور ہر طرز کے، بعضوں کو اپنے وطن سے محبت تھی۔۔۔۔ بعضوں کو شہر کی دلچسپیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ سراج الدین کے شجرۂ نسل سے براہ راست تعلق رکھنے والے لوگ اپنا ملک چھوڑ چکے تھے۔ اور ان کی سکونت لندن میں تھی۔ انھوں نے سراج نگر کو اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھا تو رکھا۔ ورنہ وہ کبھی اس بستی کا رخ بھی نہ کرتے۔ البتہ سراج الدین کے دور کے عزیز و اقارب یہاں آتے تھے۔ اور انھیں اپنی شان و تمکنت دکھانے کے خوب موقعے ملتے تھے۔

دو خوبصورت آنکھیں جو سر شام سے دروازہ تکے جا رہی تھیں۔۔۔ وہ خاتون کی تھیں۔ خاتون سراج الدین کے خاندان کی لڑکی نہ تھی۔ اس خاندان کے علاوہ بھی بہت سے شریف خاندان اس بستی میں آباد تھے۔ اور وہ انھیں خاندانوں میں سے ایک خاندان کی لڑکی تھی۔ بڑی خوبصورت، بڑی ہوشیار، بڑی باسلیقہ اور بڑی پاک باطن۔ مگر اب یہ انتظار اس کی عمر کا تقاضا تھا۔ اپنی عمر کے اٹھارہ سالوں کو اس بستی کے اندھیرے میں گذارنے کے بعد جب اسے کسی کے توسل سے روشنی کی ایک ہلکی سی کرن نظر آئی۔ تو وہ اس کا انتظار کرنے لگی۔ جس کے آنے کا آج آخری دن تھا۔ شاید سنیچر کے دن اپنا دفتر ختم کرنے کے بعد شہر سے اپنی سائیکل پر سراج نگر کے لئے روانہ ہو جاتا تھا بعض اوقات وہ اپنے افسر سے اجازت لے کر چھٹی سے ایک گھنٹہ پہلے ہی چل دیتا تھا۔ اٹھارہ میل کی مسافت کے لئے کم سے کم تین گھنٹے درکار ہوتے تھے اور وہ بہت آرام سے

چراغ جلے کے وقت تک اپنی اس بستی میں آجاتا تھا۔ جہاں اس کی دنیا خاتون کے پیکر میں آباد تھی۔

شاہد کی سائیکل خاتون کو دور سے نظر آجاتی۔ یہی ایک سائیکل تھی جو اس پختہ سڑک سے برگد اور پیپل کے درخت کے نیچے سے ہوتی ہوئی کچے راستہ پر مڑا کرتی تھی۔ اور آس پاس کے لوگ شاہد کی سواری کو دیکھ کر خوشی سے مسکرانے لگتے تھے۔ وہ احتراماً اپنی سائیکل سے اتر پڑتا تھا۔ تمام چیزوں سے لدی پھندی سائیکل کو اپنے ہاتھ میں لے کر وہ سب کے ساتھ باتیں کرتا ہوا چلتا کچھ سامان سائیکل کے کیریر پر بندھا ہوتا۔ کچھ ہینڈل پر لٹکتا ہوتا۔ شاہد کو نظر تا خوش پوشی کا شوق تھا۔ اس لئے وہ اپنے دو ایک جوڑے کپڑے اپنے ساتھ ضرور لاتا۔ خاتون کے سینڈل کبھی چوڑیاں، اور عموماً اس کے کھانے کے شوق کی کوئی نہ کوئی چیز ہینڈل پر لٹکے ہوئے تھیلے میں ہوا کرتی تھی۔ اور اسی طرح یہ سائیکل سامان سے لدی پھندی ہوتی تھی۔ مگر آج لوگ آرہے تھے۔ رات کی سیاہ چادر دور دور تک اپنے دامن میں سارے اجالوں کو سمیٹتی چلی جارہی تھی۔ سنیچر کا دن تھا۔ اور بستی کے سارے چراغ روشن ہو چکے تھے۔ مگر سائیکل سوار کا کہیں پتہ نہ تھا۔

خاتون کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پھر وہ اپنے دل کو سمجھانے لگی۔ شاید سائیکل خراب ہوگئی ہو۔ اور کسی گاؤں میں رک گئے ہوں۔
ہو سکتا ہے صاحب نے چھٹی کے بعد کسی کام سے روک لیا ہو۔ انھیں کیا معلوم کہ ہماری چھوٹی سی دنیا میں ایک ہفتہ کے بعد یہ وقت جو گذرا جا رہا ہے

کتنا اہم ہے ــــــ اور کس کس طرح سے اس وقت کا انتظار کیا جاتا ہے۔

شاہد نے اسے بتایا تھا کہ پیر سے سنیچر تک کے شب و روز وہ شہر میں کس طرح گذارتا ہے۔ صبح آنکھ کھلتی ہے تو وہ پہلی بات اپنے دل میں یہی کہتا ہے۔

چلو ایک دن کم ہوا اور خاتون سے ملنے میں چار دن کا عرصہ باقی ہے۔

پیر کی رات گذر کر منگل کی صبح ہوئی، اور پھر سنیچر کی صبح وہ دفتر جانے سے پہلے ہی سراج نگر لے جانے والا سارا سامان اپنی سائیکل پر آگے پیچھے باندھ لیتا۔ تاکہ دفتر سے سیدھا شہر کے ناکے نکل جائے۔ جسے پار کرنے کے بعد.... مختلف چھوٹی چھوٹی بستیوں سے گذرتے ہوئے اس کا تصور سراج نگر کے بازار، گلیاں اور تالاب دیکھنا شروع کر دیتا تھا۔

جمعہ کی رات ہی سے وہ جانے کی تیاریاں کرنے لگتا۔ آج وہ دفتر کے بعد زیادہ دیر کر کے گھر لوٹتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی خریداری میں وقت گذر جاتا۔ اور پھر جب وہ اپنے کمرے میں آتا جو اسے عارضی سراج ہاؤس میں ملا ہوا تھا۔ اس لئے کہ وہ سراج نگر کا رہنے والا تھا۔ جو اسے اسی وقت سے اپنی دنیا آباد نظر آتی۔ ورنہ باقی دنوں میں اسے یہ محسوس ہوتا کہ وہ اس تنہا کمرے میں بے مقصد زندگی گذار رہا ہے۔

یوں تو شہر کے اس سراج ہاؤس میں ایک دنیا آباد تھی۔ سراج نگر کے بہت سے لوگ اس میں آباد تھے۔ بعض اپنے خاندانوں سمیت رہتے تھے۔ بعض تنہا۔ مگر شاہد ان سب سے الگ تھلگ تھا۔ وہ سوچتا تھا۔ یہ ہاؤس سراج نگر کی نقل سی ہے۔ مگر اس میں وہ خلوص کہاں ہے۔ اس میں وہ گلیاں اور بازار نہیں ہیں۔ یہاں

چراغوں کی ٹھنڈی روشنی نہیں ہوتی۔ اور سرِ شام بجلی کے قمقمے روشن ہو جاتے ہیں۔ صاحب حیثیت لوگوں کا یہ ہاؤس جس میں رہنے والے اپنے کمروں اور گھروں میں ریشمی پردے لٹکاتے تھے۔ اور میز اور کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ شاہد کو کبھی نہ بھائے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس ہاؤس میں خاتون نہ تھی۔ در و دیوار کسی کی ذات کے توسل سے محبت پیدا کرتے ہیں ـــ سراج نگر شاہد کو اسی لئے پیارا تھا کہ اس میں خاتون ایک چھوٹے سے مکان میں رہتی تھی۔ وہ خاتون جس کا باپ مر چکا تھا۔ اور جس کی ماں مرغیاں پال کر۔۔۔۔ اور اپنے گھر میں بیر کے درختوں سے بیر توڑ کر اپنی اور اپنی لڑکی کے لئے روزی مہیا کرتی تھی۔

ادھیڑ عمر کی ماں ہاجرہ کو خدا نے خاتون دے کر اسے تمام نعمتوں سے محروم کر دیا مگر ساتھ ہی اس پوری محرومی کا پورا بدل خاتون تھی۔ وہ بے انتہا خوبصورت تھی۔ اتنی خوبصورت کہ سراج نگر میں اس کی مثال دی جاتی۔

"لڑکی تو خدا ایسی دے جیسے ہاجرہ کی ہے: چندے آفتاب چندے ماہتاب" "کمزوری میں دن دن بھر چکی پیس کر، بیر بیچ کر، اور مرغیاں پال کر لڑکی کو پالا پوسا جوان کیا۔ اور اب اسے دیکھ کر اس پر کسی کی نظر نہیں ٹھہرتی ہے"

خاتون پر جوانی آتے ہی بستی کے بہت سے لوگ ہاجرہ پر مہربان ہو گئے تھے وہ لوگ جو کبھی اس اجڑے ہوئے گھر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے اب خیریت پوچھنے کے بہانے آجاتے۔ لوگوں کو ہاجرہ سے یہ شکایت کبھی نہیں ہوئی کہ پہلے وہ کیوں نہیں آتے تھے۔ اور اب کیوں آتے ہیں۔ وہ سمجھتی تھی کہ خدا کی قدرت کا ظہور پہلے اس کے گھر میں نہ تھا۔ اب خاتون جوان ہو گئی ہے۔ اور جوانی میں کوئی بدصورت عورت بھی نظر

انداز نہیں کی گئی تو پھر خاتون بھلا کیسے کی جاتی - یہ آنے والے دنیا دار بن کر آتے تھے - اور خاتون کی جوانی نے انھیں مخلص بنا دیا تھا - اب تو انھیں بھی فکر تھی کہ وہ کسطرح ہاجرہ کے کام آئیں ـــــ دنیا میں بھائی چارہ اور برادری کے اصول ہمیشہ سے رائج ہیں - مگر لوگ اب ان کا استعمال کر رہے تھے - یہی لوگ اس وقت ہاجرہ کے گھر کیطرف متوجہ نہیں ہوئے جب ماں بیٹی نے بغیر کھائے ہوئے رات بسر کی، ایک دن خاتون مرتے.... مرتے بچی اور ہاجرہ کو کوئی ایسا نہ ملا جو سرکاری اسپتال سے دوا لا دیتا۔ سراج نگر کی اس خوبصورتی کا احساس پہلے کسی کو بھی نہ تھا - مگر خاتون نے جوان ہو کر پرانی رنجشیں ختم کر دیں - خاندان کے جن لوگوں نے ہاجرہ کو غریب سمجھ کر اسے بھلا دیا تھا - وہی لوگ آج سرنگوں تھے - خاتون نے سارے رشتے زندہ کئے - پھر ان میں جان ڈالی - اور اپنی خوبصورتی سے ماں کے وقار کو بلند کیا۔

ہاجرہ کو اب بھی ایک فکر تھی - کہ دولت، عزت و آبرو کے ساتھ کوئی اس سے لے لے - اور اس کی نظر میں صرف شاہد تھا - شاہد کے والد ارجمند علی زندہ تھے - اس سے بڑی ایک بہن شمسہ کی شادی ہو چکی تھی - اور اسے سراج نگر سے گئے ہوئے ایک عرصہ گذر گیا تھا - شمسہ شادی کے بعد دو مرتبہ باپ کے گھر آئی - پہلی مرتبہ شادی کے تیسرے دن، اور پھر دوسری مرتبہ ایک بچّہ کو گود لے کر ان دونوں عرصوں کے درمیان جو فاصلہ تھا اس کے یہی معنی تھے کہ یہ گھر شمسہ سے ہمیشہ کیلئے چھوٹ رہا ہے - اور وہی ہوا - گھر میں ماں نہ ہو تو وہ گھر پھر میکہ نہیں رہتا - ارجمند علی ..... اپنے کاروبار میں لگے رہتے - پھر انھوں نے اپنی پسند سے ایک لڑکی کو گھر ڈال لیا تھا - پہلے اس لڑکی سے شمسہ کے تعلقات بگڑے پھر شاہد بھی اس گھر سے متنفر

ہوگیا۔ سراج نگر کے ہائی اسکول میں انٹرنس کرنے کے بعد وہ شہر گیا اور گن فیکٹری میں ملازم ہوگیا۔ ایک کلرک کی حیثیت سے اس وقت اس کی پچاس روپے تنخواہ، بستی میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ ہر چیز کوڑیوں کے مول تھی۔ مگر کوڑیاں عنقا تھیں۔

شاہد نے ایک دن اپنے صاحب سے کہا تھا۔

شہر سے قریب ہی میرا گاؤں ہے۔ سنیچر کی شام کو وہاں چلا جاتا ہوں، ناکہ چھوڑ کر جب ایک کے بعد دوسرا گاؤں ملتا ہے تو میں ایک نئے ولولے سے اپنے گھر کی طرف بڑھتا ہوں۔ آخری گاؤں —— آتا ہے۔ پھر اس کے بعد برگد اور پیپل کے نیچے سے میرے گاؤں کو کچھ سڑک کٹ جاتی ہے۔ اور تھوڑی دور چلنے کے بعد آبادی کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ پہلے کلوار کی دوکان ملتی ہے۔ پھر دھوبی گھاٹ آتا ہے۔ وہیں سے بازار کی دوکانوں کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ دکھائی دینے لگتے ہیں۔ پھر تالاب آتا ہے۔ اور تالاب کے اس طرف وہ گھر نظر آنے لگتا ہے جہاں میں جاتا ہوں۔ میں وہاں سنیچر کی رات رہتا ہوں اتوار کا سارا دن اور ساری رات رہتا ہوں۔ اور پیر کی صبح چل دیتا ہوں —— اور اپنے وقت پر فیکٹری آجاتا ہوں —— یہ میری زندگی کا معمول ہے۔

یہ تفصیل صرف پس منظر تھی۔ اور اصل کہانی کو صاحب نے خود ہی سمجھ لیا تھا اس لئے وہ کبھی شاہد کے راستہ میں مخل نہ ہوئے — اور جب بھی اس نے ایک گھنٹہ پہلے رخصت مانگی۔ تو انھوں نے بغیر کسی پس وپیش کے دیدی۔

صاحب کی اس منصف مزاجی کا پتہ خاتون کو بھی تھا۔ اور وہ حیران تھی

آج شاہداب تک کیوں نہیں آیا۔

ماں لڑکی کی بیقراری جو صرف آنکھوں تک محدود تھی، دیکھ رہی تھی۔ آج خاتون کو چراغ تک روشن کرنے کا ہوش نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ گلی جو تالاب کے کنارے سے اس کے مکان تک آئی تھی۔ بالکل خاموش ہوگئی۔ کوئی راہ چلنے والا نہ تھا۔ اور سارے لوگ اپنے گھروں میں واپس آچکے تھے۔ ماں نے چراغ جلاتے ہوئے خاتون کی طرف پھر معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ اور اپنی جگہ پھر خاموشی سے آکر بیٹھ گئی۔

تالاب کی طرف گھر کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دوکانوں کے چراغ پانی میں جھلملا رہے تھے۔ رات کے ساتھ ساتھ خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور تالاب کا پانی تخت پر بچھائے ہوئے چادر کی طرح ساکت اور ٹھہرا ہوا تھا۔

ہاجرہ نے پھر بڑی محبت سے لڑکی کی طرف دیکھا جو اسی طرح دروازہ پکڑے کھڑی تھی۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔

بیر کے درختوں پہ بندھے ہوئے ——— ٹین نے آواز پیدا کی، شاید اس پر کوئی چڑیا بیٹھ کر پھدکی ہو۔ اور زعفرانی بیر کھا رہی ہو۔ ہاجرہ نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ڈوری کھینچی۔ ڈوری میں بندھا ہوا ٹین زور سے بجا اور درختوں پر سے سارے پرندے اڑ گئے۔

دوسرا باب

خاتون کی آنکھوں میں جاڑوں کی پہاڑ ایسی پوری رات کٹ گئی ۔ صبح ہوئی تو اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا ۔ بستر سے اٹھتے ہی اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی شاہد کے آنے کے کوئی آثار نہ ملے ۔ صبح ہوتے ذرا دیر کے لئے اس کی آنکھ لگ گئی تھی ۔ وہ نیند جو سولی پر بھی آجاتی ہے ۔ صبح ہوتے ہوتے خاتون کو بھی آگئی ۔ اس نے سوچا اس عرصہ میں شاید اس کی اجڑی ہوئی دنیا آباد ہو گئی ہو پھر اسے یاد آیا ۔ کسی خواب کے ہلکے ہلکے نقوش اس کے ذہن پر ابھرنے لگے ۔

اس نے ایک خواب دیکھا تھا ۔ شاہد کی سائیکل آگے پیچھے مختلف سامانوں سے لدی پھندی آسمان پر اڑتے جاتے بادلوں کے بیچ سے گذر رہی ہے ۔ اور نظروں سے اوجھل ہوتی جاتی ہے ۔ اس نے شاید بڑی بے چینی سے شاہد کو آواز بھی دی تھی ۔ جو بادلوں میں تحلیل ہو گئی تھی ۔

خواب کی اتنی ہی روداد اسے یاد تھی ۔ پھر وہ سوچنے لگی ۔ اس کے

بغیر کیا ہو سکتا ہے۔؟

دل کی یہ باتیں زبان پر لانے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ اس لئے وہ چپ چاپ اٹھی اور گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔ اس نے مرغیوں کا ڈربہ کھولا پانچ انڈوں کو چھوڑ کر مرغیاں کڑکڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ خاتون نے انڈے لے جا کر اپنی ماں کو دیئے۔ ماں کے ذہن میں فوراً پانچ آنے پیسوں کا خیال آیا جو اس وقت ان انڈوں کی قیمت تھی۔ شاہد کے نہ ہونے سے انڈوں کی قیمت کا خیال پیدا ہوا تھا۔ ورنہ یہی انڈے اس کے ناشتہ میں کام آ جاتے تھے۔ خاتون ماں کے پاس سے اپنے مضمحل قدموں کے ساتھ پلٹی۔ اپنے پاس سے جاتے ہوئے لڑکی کا پچھتا ذاہرہ نے دیکھا۔ اور دل ہی دل میں اس کی بے چینی پر افسوس کرنے لگی۔

خاتون سارا دن کام کرتی رہی۔ آج اس کا انہماک پہلے سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ تاکہ وہ بہل جائے اور اپنے خیالات کسی اور طرف موڑ دے۔ کسی کام میں دل نہ لگنے کے باوجود وہ کام کئے جا رہی تھی۔ دن ڈھلنا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ شاہد کی یاد اور اس کے آنے کا دن ایک ہفتہ پیچھے چھوٹ گیا۔ اب ساری امیدیں آنے والے سنیچر کے شام پر منحصر تھیں۔ رات ہوتے ہوتے پھر اسی امید نے خاتون کو سہارا دیا۔

دو ہفتوں کے بعد ملاقات ہو گی۔ میں دل کھول کر شکایت کروں گی۔ بھلا ایسی بھی کیا چاہت کہ آنے کا وعدہ کر جائیں۔ اور نہ آئیں۔ ان کے نہ آنے سے میرے دل کی چھوٹی سی دنیا میں کتنا بڑا اتھل پتھل آ گیا۔

یہ باتیں وہ اپنے دل سے کرنے لگی۔ اس لئے کہ ان باتوں کو کوئی اور نہیں سن سکتا تھا۔ اپنی بپتا سنانے کے لئے اس کے پاس اس کا دل ہی تھا جس سے وہ ہر بات کہہ سکتی تھی۔ جس کے سامنے وہ اپنے پیار کو بے نقاب کر سکتی تھی۔ جس کے روبرو اسے سب کچھ کہنے کی اجازت تھی۔ اور اسی طرح باتیں کر کے خاتون کو سکون مل جایا کرتا تھا۔

رات کو جب ماں اور بیٹی اپنے اپنے بستروں پر لیٹیں تو اچانک کسی نے بے وقت دروازے پر دستک دی۔ شاہد کے علاوہ اس وقت ہاجرہ کے گھر میں کوئی بھی آ سکتا تھا۔ اس لئے خاتون نے اس آواز کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

دستک دوبارہ ہوئی۔ اور تب ہاجرہ نے پکار کر پوچھا۔

"کون ہے؟"

مگر دستکیں برابر ہوتی رہیں۔ بالآخر ہاجرہ اپنے پلنگ سے اٹھی اور اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ ارشد دروازہ کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کپڑے سے بند کوئی چیز تھی۔

"یہ اماں نے آپ کو دیا ہے"

ارشد کی والدہ کی طرف سے کسی تحفہ کا آنا ہاجرہ کے لئے بڑی عزت کی بات تھی۔ ہاجرہ نے پیالہ ارشد کے ہاتھ سے لیا اس میں رساول تھی اور جس کے اوپر دودھ کی بڑی موٹی بالائی پڑی تھی۔

ہاجرہ شکریہ کے طور پر ہنسی اور ارشد کو لئے ہوئے اندر چلی گئی؛

ادھر کچھ دنوں سے ارشد نے یہ راہ و رسم شروع کی تھی۔ اور اسطرح اپنی ماں اور ہاجرہ بی بی کے بگڑے ہوئے تعلقات کو سنوارنا چاہا تھا۔

تیسری یا چوتھی بار ارشد اسیطرح ہاجرہ کے گھر میں آچکا تھا۔ یہ تحفہ نوکر کے ہاتھ بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ اس لئے کہ ارشد کے والد سراج نگر کے مقامی لوگوں میں سب سے زیادہ کھاتے پیتے زمیندار تھے۔ اور ان کے یہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی آدمی کام کاج کے لئے موجود رہتا تھا۔ مگر تحفہ کی نوعیت کچھ اور تھی۔ ارشد نے جب سے ایک شادی کے گھر میں خاتون کو پہنے اوڑھے دیکھا تھا۔ اسی وقت سے وہ اس کا گرویدہ تھا۔

ہاجرہ اپنی تمام عمر دنیا کے تماشے دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ ارشد کی رسم و راہ کا کیا مطلب ہے۔ اسی لئے وہ اسے گھر کے اندر لے گئی۔ ورنہ رساول کا پیالہ لے کر وہ ارشد کو باہر ہی سے واپس کر دیتی۔۔۔۔۔

ارشد کی ماں بھی اپنے لڑکے کا رجحان دیکھ رہی تھیں۔ بظاہر انھیں یہ بات پسند نہ تھی کہ ان کا لڑکا ایک غریب گھر سے دلچسپی لے مگر ساتھ ہی وہ انصاف پسند بھی تھیں۔ اور جانتی تھیں کہ خاتون کو دیکھنے کے بعد اس سے بے تعلق رہنا بڑا مشکل ہے۔

ارشد کے گھر میں جب کوئی اچھی چیز پکتی تو وہ ہاجرہ کی سفارش کرتا۔

"بے چاری غریب ہیں، کھا کر ہمیں دعائیں دیں گی۔ خدا آپ سے خوش ہوگا۔"

ارشد کی والدہ لڑکے کی اس خوشامد پر مسکراتیں۔ پھر وہ چیز دے کر

کہتیں۔

"تمہیں جا کر دے آؤ، اس وقت کوئی اور لے جانے والا نہیں ہے۔"

ارشد اندر آکر ہاجرہ کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ خاتون لیٹی ہوئی تھی۔ وہ بھی احتراماً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے ارشد کو سلام کیا۔ مگر ساتھ ہی دل میں پہلی بار یہ بھی سوچا۔

"یہ بار بار کیوں آتے ہیں؟"

ہاجرہ خوش ہو کر خاتون سے کہنے لگی۔

تمہاری خالہ نے رسا دل کھیجی ہے۔ بے چاری جب کوئی فصل کی چیز پکاتی ہیں۔ تو بھیج دیتی ہیں۔

ماں نے لڑکی کے ہاتھ میں پیالہ دے دیا۔ تاکہ وہ اسے کہیں رکھ دے خاتون اٹھی اور پیالہ لے کر چلی گئی۔ ہاجرہ نے ارشد سے باتیں کرنا شروع کیں۔

"اور بتاؤ ارشد میاں کیا حال چال ہے؟"

آپ کی مرغیاں کیسی ہیں خالہ؟"

تین کڑک ہو گئیں۔ پانچ انڈے دے رہی ہیں۔ چار انڈے روز حویلی ... میں جاتے ہیں۔ وہاں کوئی نہ کوئی سراج الدین کے عزیزوں میں آتا ہی رہتا ہے۔ ایک گھر میں وقت ضرورت کے لئے پڑا رہتا ہے۔ کبھی خاتون نے بھون کر کھا لیا۔ شاہد نہیں آئے ورنہ وہ کھا لیتے۔

شاہد کا نام سنتے ہی ارشد کا ذہن کام کرنے لگا۔ یہ دونوں ایک دوسرے

کو جانتے تھے۔ ارشد کو یقین تھا کہ اگر شاہد نے کچھ بھی خاتون کے دل میں جگہ
پیدا کر لی ہے تو وہ اسے ختم کر دے گا۔ شاہد غریب تھا۔ اس کے باپ کی بستی
میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ شاہد کے اس قدر گھل مل جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ
وہ ہاجرہ کا عزیز بھی تھا۔ مگر ارشد کا اپنا مرتبہ اس کی جائداد، بستی میں سب
سے زیادہ کھاتا پیتا گھر۔ یہ چیزیں ایک نہ ایک دن خاتون کو جیت لیں گی۔

اتنے میں خاتون رساول کا پیالہ رکھکر واپس آ گئی۔ اور ارشد کے
دل میں خیالوں کا امڈا ہوا جذبہ ختم ہو گیا۔

پھر اب کے لا ترے قرباں جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی

مومنؔ

تیسرا باب

ارشد اس دوران میں کئی بار ہاجرہ کے گھر آیا۔ اور اسے خاتون سے ایک آدھ ہی بات کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ جاڑوں کے دن تھے۔ اور سراج نگر کے باغوں میں بڑے بڑے امرود پیڑوں میں لٹکا کرتے تھے خاتون باغوں میں سے مول لے کر اس پھل کو کھاتی تھی۔ مگر اب ارشد کی بدولت گھر میں امرودوں کا ڈھیر لگا رہتا۔ اس عرصہ میں وہ جب بھی آیا اس کے ہاتھوں میں ہرے بھرے امرود ضرور ہوتے۔ اور جن کی خوشبو اتنی تیز ہوتی کہ سات گھروں میں ضرور جاتی۔ ہاجرہ کے کسی کام سے ادھر ادھر ہونے پر ارشد نے خاتون کو ترچھی نظروں سے دیکھ کر لمبی ٹھنڈی سانس لی۔ کبھی کوئی فلمی گیت گنگنایا۔ اور ایک دفعہ بات کرنے کی بھی ہمت کی۔ اس وقت اسے یہ پوری طرح احساس نہیں تھا کہ خاتون کے دل میں جو دنیا آباد ہے اس میں شاہد کو کتنا دخل ہے۔ اسے یہ احساس ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ جب اس نے ان دونوں کو

نہ کبھی ایک ساتھ دیکھا تھا۔ نہ تو شاہد کے لئے خاتون کی بیقراری کا اسے علم تھا۔ وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس کی یہ رسم وراہ اور خاطر و مدارات خاتون کو اس کا گرویدہ بنا دیں گی۔ مگر خاتون دل ہی دل میں ارشد کی ان باتوں پر ہنستی تھی۔ شاہد کی محبت اس کے دل میں جڑیں پکڑ چکی تھی۔ وہ اسے دیوانہ وار چاہتی تھی۔ شاہد کب سے اس دنیا میں آباد تھا۔ جسے ارشد نے ویران سمجھ کر اس کے اندر قدم رکھنا چاہا تھا۔

اس نے سوچا کہ شاہد آئے گا تو وہ ارشد کا سارا قصہ اس سے ہنس ہنس کر بیان کرے گی۔

" دنیا میں بیوقوفوں کی کمی تھوڑی ہے " کسی ایک کو ڈھونڈو تو ہزاروں مل جاتے ہیں۔ اور پھر ارشد تو اسے بغیر ڈھونڈے ہوئے ملا تھا۔ اگر اس کے بس میں ہوتا اور وہ بول سکتی تو ارشد سے صاف کہہ دیتی۔

تم جو خواب دیکھ رہے ہو اس کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ ممکن ہے تم اماں کو ڈانوا ڈول کر دو۔ مگر میرا فیصلہ تو اٹل ہے میرا عہد قسموں سے سربمہر ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

ماں کی طرف سے خاتون کو خدشہ ضرور تھا۔ ان کی نظر میں ارشد کو شاہد سے زیادہ بہتر ہونا چاہئے۔ کیوں کہ ارشد کا بستی میں ایک رچا بچا گھر تھا۔ جائداد تھی۔ عزت تھی، ماں نے یہ سوچ لیا ہو گا۔ کہ ان کی لڑکی ایک بڑے گھر کی بہو بنے گی۔ اور لوگ اس کی خوبصورتی کی طرح اس کی قسمت کو بھی.... خوبصورت کہیں گے۔ شاہد غریب تھا، اپنے آئے دن کے مسائل

میں گھرا ہوا۔ نہ ڈھنگ کا گھر، نہ کوئی خاندان، باپ اپنی بستی کے اوباش لوگوں میں تھا۔ جس نے ایک ایسی دیسی لڑکی کو اپنے گھر میں ڈال کر اپنے خاندان کا نام ڈبو دیا تھا۔ ماں کی نظر دونوں کے ظاہری اوصاف پر پڑ سکتی تھی۔ لیکن دل کا ٹٹولنا تو... خاتون کا کام تھا۔ شاہد کے دل میں خاتون کے لئے جو تڑپ تھی۔ وہ اسے ہفتہ بھر تک بہلائے رکھتی۔ اور جسے وہ اپنی جفاکش زندگی کے کاٹنے کا ایک بہانہ سمجھتا تھا۔ وہ ارشد کے دل میں نہ تھی۔ ماں کے دل میں ذرا سی تبدیلی کے احساس سے اسے تکلیف ہونے لگتی۔ اور قبل اس کے کہ ہاجرہ کے دل میں ارشد پوری طرح اتر جائے۔ اس نے ایک دن ماں کو ٹوکا۔

"یہ روز روز کیوں آتے ہیں۔؟"

ہاجرہ نے غور سے خاتون کی بات سنی اور سوال کی اہمیت پر غور کرنے لگی۔ پھر فوراً ہی اس نے جواب دیا۔

پاس پڑوس میں لوگ اسی طرح دوسروں کے گھروں میں آتے جاتے ہیں۔ ارشد تو کبھی خالی ہاتھ نہیں آتا؟

ماں کو ارشد کا طرفدار دیکھ کر خاتون چپ ہو گئی۔ اور اپنے دل میں سوچنے لگی۔

"اماں زندگی بھر ان چیزوں کو ترسی ہیں۔ اس لئے وہ ان کھانے پینے کی چیزوں سے آگے کچھ دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

اس نے ماں کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گھر کے کاموں میں مشغول ہو گئی۔ آج جمعرات تھی۔ اور دن ڈھل کر شام کا سایہ ہر طرف پھیلتا جا رہا ہے۔ خاتون اپنے

گھر کے آنگن میں جھاڑو دے رہی تھی۔ اور اس کا دل بار بار یہ کہے جا رہا تھا۔ کہ ارشد اس وقت ضرور آ دھمکیں گے۔ وہ دو بار لگاتار اسی وقت آیا تھا۔ جب باجرہ رات سے پہلے اپنے بڑے بڑے زعفرانی بیروں میں کپڑا باندھتی ہوتی، تاکہ انھیں گلہری نہ کتر لے۔ اور اس طرح اس کے ادھر ادھر ہوتے ارشد کو خاتون سے بات کرنے کا موقع مل جاتا۔

ان آخری دو دنوں میں وہ صرف دو باتیں خاتون سے کہہ پایا تھا۔

تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔

مجھ سے آکر ملو۔

خاتون نے یہ دونوں باتیں سن لی تھیں۔ مگر جواب کچھ نہ دیا تھا۔ آج اگر ارشد آگیا تو وہ تیسری بات ضرور کرے گا ——— خاتون جھاڑو دے رہی تھی۔ اور اس کا دل دھک دھک کئے جا رہا تھا۔ اس وقت ماں کو اس نے اسی لئے ٹوکا تھا۔ مگر ماں نے جو کچھ جواب دیا۔ اس سے اسے بڑی مایوسی ہوئی وہ سوچنے لگی۔

اگر شاہد اور ارشد میں مقابلہ کرنا پڑے تو میں بہت آسانی سے فیصلہ کر سکتی ہوں۔ لیکن اگر یہ مقابلہ اماں اور شاہد میں ہوا۔؟ پھر میں کیا کروں گی۔

جھاڑو دیتے دیتے خاتون کا ہاتھ رک گیا۔ اور وہ ایک گہری سوچ میں پڑ گئی ———

سینے میں ضبطِ غم سے چھالا اُبھر رہا ہے
شعلے کو بند کر کے پانی بنا رہے ہیں!

چوتھا باب

خاتون ہر سنیچر کو کپڑے بدلا کرتی تھی۔ تاکہ شاہد اسے صاف ستھرا دیکھے۔ وہ آج دوپہر کو اپنے کوٹھے پر نہانے کے لئے چڑھی۔ کوٹھے کی چھت پر پھیلی ہوئی دھوپ جاڑوں میں نہانے کے کام آتی ہے۔ اور خاتون نے آج دل کھول کر اپنے جسم کے ہر حصے کو اچھی طرح نہلایا۔ صاف کپڑے پہن کر کنگھی چوٹی کی۔ چنا ہوا دوپٹہ کاندھوں پر ڈالا۔ اور تالاب کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کچے راستہ پر نظر جمائی جس پر آج شاہد کی سائیکل آنے والی تھی۔

شام کے چار دیر سے بج چکے تھے۔ اور وہ اپنے دل سے کہنے لگی کہ شاہد دفتر سے چل دیا ہوگا۔ آج تو اس کا آنا یقینی تھا۔ وہ سوچنے لگی۔ کہ وہ شاہد کو کن نظروں سے دیکھے۔ جن میں شکایت بھی ہو اور محبت بھی ——— شکایت گذشتہ ہفتے نہ آنے کی، اور محبت جس کے سہارے اس نے پورا ہفتہ گذارا۔

مگر ابھی تو اس کے آنے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ نہ معلوم کس جذبے کے تحت اس نے گھر کا پچھلا دروازہ کھول کر کچے راستہ کو دیکھا —— اس پر اکّا دُکّا آدمی آجا رہے تھے۔ پھر اس نے دیکھا۔ ارشد اپنی لمبی گھوڑی پر سوار ایک کھیت کی منڈیر پر سے اترا۔ اور چوڑا راستہ پاکر اپنی گھوڑی کو سرپٹ بھگانے لگا۔ اس نے دور ہی سے خاتون کے کھلتے ہوئے دروازے دیکھ لئے تھے۔ پھر قریب آکر اس نے خاتون کی جھلک بھی دیکھی۔ مگر خاتون نے اسے دیکھکر اپنے دروازے بند کر لئے۔

وہ ماں کے پاس ایک بیر کے درخت کے نیچے آکر بیٹھ گئی۔ شام کو دھوپ گھر کی دیواروں سے بھی رخصت ہو رہی تھی۔ اور خاتون کے چہرہ پر ملاحت اور بھولاپن بڑھتا جارہا تھا۔ چاند آسمان پر آنے سے پہلے ہاجرہ کے آنگن میں ایک بیر کے درخت کے نیچے نکل آیا تھا۔ ماں نے خاتون کے چہرہ پر سے اپنی نظریں ہٹالیں۔ تاکہ خود ماں کی نظر لڑکی کو نہ لگ جائے۔

شاہد کے آنے کا وقت آرہا ہے۔ آٹا گوندھ کر رکھ لو۔ آئے تو اسے ۔۔۔۔ تازی روٹی پکا کر دینا۔

پہلے آئیں تو کسی طرح۔

کہنے کو تو خاتون نے بے ساختہ یہ بات کہدی۔ مگر فوراً ہی اسے خیال آیا کہ اسے اپنی بے چینی کا اظہار اس طرح نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر ہاجرہ نے لڑکی کی بات بالکل نہیں سمجھی۔ وہ بولی۔

آج دو ہفتوں کے بعد آرہا ہے۔ سائیکل چلانے والے کے پیٹ میں

کنکر پتھر ہوں تو وہ بھی ہضم ہو جائیں۔ آتے ہی کھانے پر گرے گا۔ دو انڈے رکھے ہیں وہ بھون دینا۔ امرود کے کچالو بنا لینا۔ مطلب یہ ہے کہ ذرا دسترخوان سلیقہ سے چن دینا۔ تاکہ اسے بھی پتہ چلے کہ گھر میں کھانا کھا رہا ہے ـــــ کسی ہوٹل میں نہیں۔

خاتون اٹھی اور بغیر کچھ جواب دیئے۔ آٹا نکال کر گوندھنے لگی۔ اس نے سوچا کہ وہ گرم گرم روٹیوں پر تازہ گھی چپڑ دے گی۔ انڈے بھون دے گی۔ رہ گئے امرود کے کچالو، تو وہ ان سے احتراز کرنا چاہتی تھی۔ سارے گھر میں گدرا امرودوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے امرود اسکے سامنے ڈلیا میں رکھے تھے۔ جن کی طرف دیکھتے ہی ایک بار پھر اسے ارشد کا خیال آیا۔ اور وہ کہی ہوئی باتیں اس کے دماغ کو کریدنے لگیں۔

تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔
مجھ سے آکر کبھی ملو۔

اس کا بس چلتا تو وہ ارشد کا منہ نوچ لیتی۔ وہ اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر کے کہتی۔

اگر میں تمہیں اچھی لگتی ہوں تو میرا یہ طمانچہ بھی تمہیں ضرور اچھا لگتا ہوگا۔ اب بھی اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو میں کبھی آکر تم سے ضرور ملوں گی۔ مگر تم مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے ہو۔

وہ اپنے دل میں یہ سب کچھ کہہ رہی تھی۔ کہ ارشد ہنستا ہوا گھر کے اندر داخل ہوا۔ اور خاتون اسے دیکھ کر سفید پڑ گئی۔ یہ وقت کسی اور کے آنے کا ہے

اگر شاہد بھی اسی وقت آگیا تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر کیا کہیں گے۔
ارشد پہلے ہاجرہ کے پاس بیٹھا۔ پھر سگریٹ سلگانے کے بہانے چولھے کے پاس گیا جہاں خاتون بیٹھی ہوئی آٹا گوندھ رہی تھی۔ اس نے چمٹے سے چنگاری نکالی۔ اور اپنی سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ برابر کنکھیوں سے خاتون کو دیکھے جا رہا تھا اور خاتون مارے غصہ کے اپنے دونوں ہاتھوں کو آٹے پر بے تحاشہ مار رہی تھی۔
______ آج اگر اس نے کوئی تمیری بات اس سے کہی تو وہ آٹے کا تسلا اس پر اٹھا کر مارے گی۔ ہاجرہ اپنے پیروں پر کپڑا باندھنے میں لگ گئی۔ اور ارشد وہیں بیٹھا بیٹھا سگریٹ پینے لگا۔ ہاجرہ کو اپنے کام میں منہمک دیکھ کر وہ دبی زبان سے بولا۔

خاتون!
آٹے کا تسلا زمین پر زور سے کھڑکا۔ تاکہ یہ آواز خاتون کی تنہائی میں مخل ہو سکے۔ ارشد نے پھر آواز دی۔ اور پہلے سے بھی زیادہ محبت سے اسے مخاطب کیا۔

خاتون!
خاتون نے دل کڑا کر کے اپنی نظریں اٹھائیں۔ اور قہر آلود نظروں سے ارشد کی طرف دیکھا۔
میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔
"اماں!"
خاتون نے اس طرح ڈر کر ماں کو آواز دی۔ جیسے کوئی ڈراؤنا خواب

دیکھ کر چونکی ہو۔ مگر ہاجرہ جو شاید چشم پوشی کر رہی تھی۔ دھیرے سے بولی۔

"ڈرو نہیں، ارشد تمہارے پاس ہی بیٹھے ہیں۔ ان سے باتیں کرو۔ دو بیر اور رہ گئے ہیں۔ میں ان پر کپڑا باندھ کر آتی ہوں۔

خاتون کی قہر آلود نظروں کا جواب ارشد کی خاموشی تھی۔ وہ چپ چاپ سگریٹ پیتا پیتا اٹھا اور آنگن میں آکر ٹہلنے لگا۔ اس کا ذہن مختلف سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ماں کی طرح لڑکی اس کی شخصیت سے مرعوب کیوں نہیں ہوتی ——— مگر اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ خاتون کو ہر قیمت پر حاصل کرے گا۔ سراج نگر میں اس کا حریف اور کون ہو سکتا تھا۔ جو اسے مقابلہ پر آمادہ کر دیتا۔

اتنے میں باہر سے سائیکل کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ اور شاہد اپنی لدی پھندی سائیکل کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہوا۔ ارشد آنگن میں ٹہل رہا تھا ہاجرہ اپنے بیروں پر کپڑا باندھ رہی تھی۔ اور اس کے چہرہ پر نہ شکایت کے آثار تھے۔ نہ محبت کے، ماتھے کی وہ تیوریاں جو پہلے ہی چڑھ چکی تھیں۔ بدستور قائم رہیں۔ اور شاہد نے بھی سمجھا کہ نئے مہمان نے جسے اس نے پہلی دفعہ اس گھر میں دیکھا ہے۔ پرانے مہمان کے لئے کوئی جگہ نہ چھوڑی۔ اس نے اپنی سائیکل ایک بیر کے درخت سے ٹکا کر کھڑی کر دی۔ اور خود سر پکڑ کر بچھے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گیا۔

پانچواں باب

شاہد اور ارشد اس حیثیت سے ایک دوسرے کو ہرگز نہیں جانتے تھے کہ دونوں خاتون کے دلدادہ ہیں۔ اس لئے دونوں پہلے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر شرمائے۔ پھر رسمی گفتگو کرنے لگے۔

ارشد کا خیال تھا کہ شاہد شہر سے آکر اپنے باپ کے گھر ٹھہرتا ہے۔ اگر اسے اس صورت حال کا علم ہوتا تو وہ تین باتیں جو تین ملاقاتوں میں اس نے خاتون سے کہی تھیں۔ اتنی جلدی نہ کہتا۔ اسے پہلی دفعہ یہ احساس ہوا کہ خاتون کی خاموشی، اس کی قہر آلود نگاہیں، اور ماں کو ایک دم سے مخاطب کرنے کا کیا مطلب تھا۔ وہ ذرا دیر بیٹھا۔ شاہد سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ ان کی گفتگو میں نہ ہاجرہ نے دخل دیا نہ خاتون نے، مگر ارشد کے جانے کے بعد پہلی بار ہاجرہ نے زبان کھولی۔ اس نے کہا۔

ارشد روز آتے ہیں۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ کسی دن اپنی ماں کو بھیج کر پیام

کی صورت میں اپنے دل کا راز کہلائیں، مجھے تو کچھ دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔

آٹے کی لوئی خاتون کے ہاتھ سے چھوٹ کر چولھے میں گر پڑی۔ وہ ماں کا منہ نہیں پکڑ سکتی تھی۔ اور نہ تردید کرنے کی اس میں طاقت تھی۔ پھر بھی اس نے ہمت کر کے شاہد کی طرف بے چارگی سے دیکھا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ مجبور ہے۔

شاہد نے بظاہر خوشی کا اظہار کیا۔ اور سائیکل میں بندھی ہوئی چیزیں نکال نکال کر پلنگ پر ڈالنے لگا۔ ان چیزوں میں حسب دستور خاتون کے سینڈل تھے۔ صابن کی ٹکیا تھی، پاؤڈر کا ڈبہ تھا۔ باقی چیزیں کھانے پینے کی تھیں۔ کچھ پھل، بسکٹوں کا ایک ڈبہ۔ اور پاپڑ جو خاتون بڑے شوق سے کھاتی تھی۔ وہ یہ ساری چیزیں نکال نکال کر پلنگ پر ڈالتا رہا اور یہی کہتا رہا۔

"خاتون واقعی اس قابل ہے کہ وہ کسی بڑے گھر جائے اور سراج نگر میں فی الحال ارشد کے گھر سے بڑا گھر اور کون ہو سکتا ہے۔"

مگر خاتون کی دنیا تاراج ہوئی جا رہی تھی۔ ہاجرہ شاہد سے جو کچھ کہہ رہی تھی وہ اسے نہیں کہنا چاہیئے تھا، مگر خاتون بے زبان تھی۔ کانوں سے تو وہ سب کچھ سن رہی تھی۔ اور دعا مانگ رہی تھی۔ "کاش میری زبان کی طرح میرے کان بھی بے کار ہو جائیں۔

"شاہد!" خاتون سے نہ رہا گیا۔ اس کے چہرہ پر رونق کے ساتھ ساتھ وقتی بے چینی کا بھی ایک اثر تھا۔ اور انہی دونوں چیزوں نے مل کر اس کے چہرہ پر ایک عجیب طرح کی مٹھاس مل دی تھی۔ غم میں ڈوبی ہوئی آنکھوں کو اٹھا کر اس نے

شاہد کو دیکھا۔ پھر دبی زبان سے شکایت کی۔

"پچھلے سنیچر کو کیوں نہیں آئے؟"

شاہد جواب دینے سے پہلے مسکرایا۔ اس نے سوچا کہ خاتون نے یہ سوال عادتاً کیا ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کسی کی دل کی دنیا میں کس چراغ کی روشنی ہے۔ وہ چراغ جو شاہد نے بڑے شوق سے جلائے تھے۔ اب وہ انھیں اپنے ہی ہاتھوں سے بجھانے جا رہا تھا۔ وہ اپنے ان خیالوں میں اتنا بھٹک گیا کہ خاتون کو فوراً کوئی جواب نہ دے سکا۔ خاتون بڑی ذہین تھی۔ وہ شاہد کی کشمکش کو سمجھ گئی۔ اس نے پھر ٹوکا۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں؟"

"ہاں" شاہد اک دم سے چونکا۔ "پچھلے سنیچر کو ایسا ہوا کہ صاحب نے اجازت ہی نہیں دی۔ فیکٹری میں کام بہت تھا۔ اور صاحب کے ساتھ مجھے بھی کافی رات تک بیٹھنا پڑا۔"

انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں پتھرا گئیں۔ مجھ پر کیا گذری یہ کسی کو نہیں معلوم!"

خاتون کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکل کر زمین پر گر پڑے۔ اور تب شاہد کو یہ احساس ہوا کہ خاتون اتنی ہی معصوم ہے۔ جتنی کہ پہلے تھی، ارشد کا جادو صرف مال پر چلا، وہ اس فریب میں مبتلا نہیں ہوئی۔ مگر ساتھ ہی خاتون بے زبان تھی۔ اور اس کی بے زبانی سے فائدہ اٹھا کر وہ سب کچھ کیا جا سکتا تھا جو اس کی مرضی کے خلاف ہو۔

شاہد نے ساری رات آنکھوں میں بسر کی، تین پلنگ پاس پاس بچھے ہوئے

تھے۔ بیچ میں ہاجرہ کا پلنگ تھا۔ خاتون بھی ساری رات اپنی الجھنوں کی وجہ سے جاگتی رہی۔ شاہد اور خاتون کے درمیان ہاجرہ ہر طرح حائل تھی۔ جب وہ خاتون کی طرف کروٹ لے لیتا تو ذرا سی گردن اٹھا کر خاتون .... کو دیکھ لیتا۔ پھر جب کروٹ شاہد کی طرف ہوتی تو خاتون گردن اٹھا کر شاہد کو دیکھ لیتی۔ ساری رات کے اس عمل کے بعد جب صبح ہی صبح دونوں اٹھے تو مضمحل تھے۔ اور دونوں کی آنکھوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے ساری رات جاگے ہوں۔

اتوار کی صبح کو ہاجرہ محلہ کے کسی گھر میں گئی۔ اور ان دونوں کو باتوں کا موقع مل گیا۔

دھوپ سارے آنگن میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور جنوری کی شدید سردی میں ایک نعمت معلوم ہو رہی تھی۔ خاتون جس پلنگ کے پائینتی بیٹھی تھی۔ اس پر شاہد لیٹا تھا۔ خاتون کے وزن سے ادوائن کی ایک ڈوری ٹوٹی اور وہ کھسک کر شاہد کے اور قریب ہو گئی۔ وہ ہنسکر بولی۔

"اماں کا خیال ٹھیک ہے کہ میں بہت موٹی ہو گئی ہوں"۔

"بگڑے تمہاری اماں کے سارے خیال ٹھیک ہو گئے تو پھر کیا ہوگا۔؟"

شاہد نے بڑی خوبصورتی سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا جسے وہ کہنا چاہتا تھا۔ اور جس کے بارے میں خاتون کے خیالات بھی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ خاتون خود بھی منتظر تھی کہ کوئی ایسی بات نکلے تاکہ وہ شاہد کو اپنے دل کی باتیں سنا دے۔ اس نے کہا۔

"اماں میری دشمن نہیں ہیں۔ وہ جو کچھ چاہتی ہیں اس میں ان کی نیت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی میں خود بے وفا نہیں ہوں۔"

"فرض کرو، ارشد کے لئے تمہارا پیام آگیا؟"

خاتون بے زبان تھی اور شاہد کے اس سوال پر بے زبان بنی رہی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ کچھ نہیں کرسکتی۔ شاہد ہنس کر کہنے لگا۔

مجھے ایسا سوال نہ کرنا چاہئے تھا جس کا تمہارے پاس کوئی جواب نہ ہو ــــ اگلے سنیچر کو تم میرا انتظار نہ کرنا۔

"یہ میرے اوپر ظلم ہوگا؟"

"ہر ظلم کو ابھی سے برداشت کرنے کی عادت ڈالو۔ میں یہاں نہ آکر اپنے اوپر بھی ظلم کروں گا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر اگر زندہ رہ سکتے ہیں تو ہمیں رہنا چاہئے۔"

خاتون رونے لگی۔ ہاجرہ جو بڑی دیر سے باہر گئی ہوئی تھی۔ گھر لوٹ آئی مگر اس کے آنے سے پہلے ہی خاتون شاہد کے پاس سے اٹھ کر جاچکی تھی۔ وہ اپنے کوٹھے کی چھت پر بیٹھ کر اکیلے میں خوب روئی۔ پھر جب ہاجرہ نے اسے پکارا تو آنکھیں پونچھتی ہوئی نیچے اتر آئی۔ آنکھوں کی نمی کو ماں نے غور سے دیکھا اور سارے معاملہ کی تہہ کو پہونچ گئی۔

چھٹا باب

جیسا کہ ہمیشہ ہوتا تھا۔ پیر کی صبح کو شاہد سراج نگر سے شہر روانہ ہو گیا۔ اور پھر وہ سنیچر کی شام کبھی نہیں آئی جس کے سکوت میں اس کی لدی پھندی سائیکل بستی کے کچے راستہ پر مڑا کرتی تھی۔ پختہ سڑک کے کنارے برگد اور پیپل کے وہ دونوں درخت بوڑھے ہو گئے مگر پھر کبھی ان کے نیچے سے وہ سائیکل نہیں گذری جسے خاتون کی نظر بہت دور سے دیکھ لیا کرتی تھی۔ اور جو کچے راستہ پر اس طرح بھاگتی تھی۔ جیسے اس میں کئی گھوڑوں کی طاقت ہو۔

پیر کے دن سراج نگر کو آخری دفعہ چھوڑتے ہوئے شاہد نے ایک۔ ایک چیز کو بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ پھر تالاب کے پاس سے گذرتے ہوئے اس نے پیچھے مڑ کر خاتون کے گھر کا وہ پچھلا دروازہ بھی دیکھا جس میں کھڑی ہو کر وہ اس کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اور جو اس وقت بھی خاتون کو اپنی حدود میں لئے ہوئے کھلا ہوا تھا۔ وہی دو آنکھیں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔

سراج نگر کا بازار، کلوار کی دوکان، دھوبی گھاٹ۔ یہ ساری چیزیں اس کے پاؤں کی گردش میں آ کر پیچھے چھوٹ گئیں۔ اور بستی کا آباد علاقہ ویرانے سے بدل گیا۔

شاہد رات بھر اپنی دنیا کے پلٹ جانے پر غور کرتا رہا۔ اس کی نظر میں پندرہ دن پہلے ساری دنیا آباد تھی۔ امید کے کتنے چراغ جگہ جگہ پر روشن تھے۔ مگر آج اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ہر جگہ اندھیرا ہے۔ اور اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

اٹھارہ میل کی یہ مسافت اس نے کس طرح کاٹی۔ یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ یہ اس کا دل ہی جانتا ہے۔ کہ وہ سراج نگر سے شہر کس طرح پہنچا۔ اور پھر وہ سارا دن اس نے ٹیکرٹی میں کس طرح گذارا۔

کئی دن تک اس کی بے چینی کا عجیب عالم رہا۔ اس کی زندگی میں جب وہ پہلی سنیچر کی شام آئی جب اسے کہیں نہیں جانا تھا۔ تو اس کا دل خود بخود ڈرنے لگا۔

وہ کیا کرے اور کہاں جائے۔؟

یہ سوال اس نے خود سے کئی بار کیا اور جواب نہ دے سکا۔ اب اس کی نظروں کے سامنے کوئی منزل نہ تھی۔ سراج ہاؤس کے ایک کمرہ میں۔ جس میں وہ رہا کرتا تھا اس کی سائیکل بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ جیسے زبان حال سے یہ پوچھ رہی ہو۔

"آج سراج نگر کیوں نہیں گئے ——— خاتون تمہارے انتظار میں تالاب

کی طرف کھلنے والا دروازہ کھولے بیٹھی ہو گی اور تمہاری راہ تک رہی ہو گی"۔
شاہد اپنے تصوّر میں وہ درودیوار دیکھنے لگا جن سے اسے بڑی محبّت تھی اپنی بستی کی ایک ایک چیز اسے بلا رہی تھی۔ مگر وہ اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھا ہوا اپنی زندگی کے اگلے پچھلے واقعات پر غور کر رہا تھا۔
سارا قصور اس نے اپنی قسمت کو دیا۔ اس لئے کہ خاتون کی بے زبانی... خاتون کی خطا نہ تھی۔ وہ یہ کیسے کہہ سکتی تھی کہ اس کی شادی بجائے ارشد کے شاہد کے ساتھ ہو۔ اسے ہاجرہ کی مکاری پر غصّہ آنے لگا۔ ماں کو اگر اس کے ساتھ محبت نہ تھی، تو اپنی لڑکی کے ساتھ تو ہونی چاہیئے۔
اتوار کا دن ہر روز سے زیادہ اداس تھا۔ پہلے یہ دن شاہد کی زندگی میں کتنی بہاروں کا حامل ہوا کرتا تھا۔ آج کے دن دل کے باغ میں ہر طرف پھول کھل جایا کرتے تھے۔ شاہد اور خاتون چھپ کر ایک دوسرے سے دکھ سکھ کی باتیں کر لیا کرتے تھے۔ اور انھیں باتوں کے سہارے وہ اپنی زندگی کے دن گذار رہا تھا۔ لیکن آج تو اس کے پاس کوئی ایسا بھی نہ تھا۔ جسے وہ اپنی دکھ بھری کہانی سنا سکتا۔
وقت ان تمام باتوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا چلا گیا۔ شاہد کو مجبوراً سب کچھ بھول کر اپنے کام میں دل لگانا پڑا۔ صاحب کو جب شاہد کی حرماں نصیبی کا علم ہوا تو انھوں نے بھی اسے سمجھایا
زندگی میں اس قسم کے واقعات سب ہی کو پیش آتے ہیں۔ لیکن دنیا میں معقول انہیں لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان واقعات کے آگے جھکتے نہیں۔ بلکہ ان کا

مقابلہ کرتے ہیں ۔۔۔ تم اور دلچسپی سے اپنا کام کرو، تاکہ تمہاری ترقی ہو۔ اور اس درجہ پر پہنچ جاؤ جہاں تمہیں دیکھ کر لوگ حیران ہو جائیں۔ اس قسم کی کوشش تمہارا انتقام بھی ہو سکتی ہے۔ ماجدہ جب تمہیں اس مرتبہ دیکھے گی۔ تو اسے اپنے فیصلہ پر پچھتانا پڑے گا۔

صاحب کو شاہد نے اپنی کہانی بڑی تفصیل سے سنائی تھی۔ اور جب سننے کے بعد اس نے شاہد کو یہ نصیحت کی تھی۔ صاحب کی یہ باتیں شاہد کے دل کو لگ گئی تھیں۔ اور اب وہ اپنا کام بڑی محنت سے کرنے لگا تھا۔ سب کچھ بھول کر اب اسے ایک ہی دھن تھی۔ اور وہ یہ کہ اپنی محنت سے بڑا آدمی بن جائے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے تمام بڑے آدمی اپنے غموں کے سہارے آگے بڑھے ہیں۔ اور اس خیال سے اسے بڑی تقویت پہونچی ـــــ کچھ دنوں کے بعد اسے اپنے غم میں لذت سی محسوس ہونے لگی۔ اس کے دل میں خاتون کی محبت کئی گنا بڑھ گئی۔ وہ اسے بغیر دیکھے ہوئے ہر وقت دیکھا کرتا تھا۔ اس سے باتیں کیا کرتا تھا۔ سراج نگر سے پھر کر اس نے خاتون کو اپنے دل کے آئینہ خانے میں بٹھا لیا تھا۔ وہ ہر وقت اب اسی کے ساتھ رہتی تھی۔ اور وہ اپنے کام میں انتھک کوشش کر رہا تھا۔
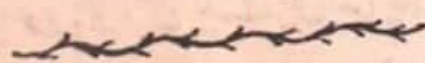
زندگی ریشم و کمخواب نہیں ہے اے دوست
تجھ کو جینا ہے تو پتھر کا جگر پیدا کر!

ساتواں باب

خاتون کی ساری کہانی اس کی آنکھوں میں تھی۔ شاہد کو ایک عرصہ سے
نہ دیکھنے کی وجہ سے وہ آنکھیں بیمار ہو گئی تھیں جن میں پہلے ہر وقت ..... ایک
یہ چمک اور مسرت چھلکا کرتی تھی۔ ہاجرہ اس کی گری ہوئی صحت دیکھ کر اپنے کئے
پر نادم تھی۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ہاں کبھی کبھی تنہائی میں بیٹھ کر یہ ہی سوچتی
تھی کہ اسے اپنی بے زبان لڑکی پر ایسا ظلم نہیں توڑنا چاہیئے تھا۔ اس لڑکی پر
جس نے بستی میں اپنے گھر کا وقار بڑھایا ہو اور مرے ہوئے رشتوں کو پھر سے
زندہ کیا ہو۔ ارشد کے گھر سے یہ نئی رسم و راہ بھی خاتون ہی کی خوبصورتی
کا کرشمہ تھی۔ مگر ماں کا سلوک اس کی خوب صورتی کو ختم کئے ڈال رہا تھا جس سے
اس کے گھر میں روشنی پھیلی تھی۔ خاتون کو ایک روگ لگ گیا تھا۔ پہلے آنکھیں بے
نور ہوئیں۔ پھر رفتہ رفتہ جسم کے دوسرے حصوں پر بھی اثر پڑنے لگا۔ اور وہ
بیمار رہنے لگی۔

ہاجرہ کو خاتون کی اس تبدیلی کا بالکل احساس نہ تھا۔ اس نے کبھی اپنی لڑکی کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ بالکل بے خبر تھی کہ شاہد اور خاتون کے درمیان بات کہاں تک پہونچی ہوئی ہے۔ خاتون اپنی تمام اذیتوں کے باوجود اب بھی چپ تھی۔ اور اس کی اس خاموشی سے ماں کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

مگر ان تمام خدشوں کے باوجود ماں کو جس حقیقت نے سہارا دیا وہ یہ تھی کہ وقت بجائے خود ہر درد کی دوا بن جاتا ہے۔ ارشد شادی کے بعد خاتون کے دل سے شاہد کا خیال ختم کر دے گا۔ ایک بڑے گھر کی بہو بن کر۔۔۔۔ خاتون خود بھی اپنی پچھلی زندگی کو بھول جائے گی۔ مگر جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا، یہ ہاجرہ کی بھول تھی ـــــــ کسی دل میں کھلنے والے پہلے پھول کی کلی اگر مرجھا جائے تو پھر زندگی کے باغ میں کبھی کوئی غنچہ نہیں چٹکتا۔ آہستہ آہستہ ماں کو یقین ہو چلا تھا کہ اس نے اپنی لڑکی کو قتل کیا ہے۔ اور اگر اس نے کوئی موثر تدبیر نہ سوچی تو خاتون مرجائے گی۔

اب تو بستی کے لوگ بھی خاتون کی گرتی ہوئی حالت کو دیکھ کر ماں سے پوچھتے تھے کہ اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے۔ اور ماں سب کچھ جانتے ہوئے بھی کسی کو کچھ جواب نہ دے پاتی ـــــــ

ہاجرہ نے خاتون سے آنکھیں چرانا شروع کیں۔ اپنے ظلم کا احساس لے جتنا جتنا بڑھتا گیا۔ وہ لڑکی کا سامنا کرنے سے گھبرانے لگی۔ خاتون اب بھی صبح سویرے اٹھتی۔ پہلے مرغیوں کا ڈربہ کھولتی۔ اور مرغیوں کو باہر نکال کر انڈوں کو ماں کی

سپردگی میں دے دیتی ۔ سارے گھر میں جھاڑو دیتی ۔ پھر چولھا جلاکر کھانا پکانا شروع کردیتی ۔ اس کے ان تمام کاموں میں پہلے جیسا انہاک نہ تھا ۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ گھر اس کی ماں کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے ۔ ماں نے جب کبھی دبی زبان سے کام کرنے کی ممانعت کی تو اس نے نہیں سنا ۔ اور یہ ظاہر کیا کہ جس گھر میں اس کی خوشی کا کوئی احترام نہیں کیا گیا ۔ اس گھر میں اسے لڑکی بن کر بھی رہنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔ وہ جب تک رہے گی ۔ اسی طرح کام کرتی رہے گی ۔

جاڑوں کی لمبی راتیں ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھیں ۔ سراج نگر میں جتنی جلدی رات آتی تھی ۔ اور چراغ جلتے ہی سناٹا چھا جاتا تھا ۔ اتنی ہی جلدی صبح بھی ہو جاتی تھی ۔ اور منہ اندھیرے سے لوگ اپنے کام کاج میں نکل پڑتے تھے ۔ یہ دونوں بھی بہت سویرے جاگ پڑتی تھیں ۔ اور صبح کی تاریکی میں اپنے لحافوں کے اندر لیٹی ہوئی دکھ سکھ کی باتیں کیا کرتی تھیں ۔ شاہد ڈیڑھ مہینے سے نہیں آیا تھا ۔ انتظار کی چھ افسردہ شامیں گذر چکی تھیں ۔ جو پہلے بڑی فرحت بخش تھیں ۔ اس لئے کہ خاتون کی نظروں کے سامنے سنیچر کا دن ڈھلتے ہی چاند نکل آتا تھا ۔ ساتویں سنیچر کی شام دوسرے دن تھی، وہ شام جس میں شاہد کے آنے کی کوئی امید نہ تھی ۔ اور خاتون کی نظروں کے سامنے بدستور اندھیرا چھایا ہوا تھا ۔

ماں بیٹی دونوں نے حسب معمول منہ اندھیرے سے اپنے لحافوں کے اندر آنکھیں کھولیں ۔ اور ایک دوسرے کو دیکھا ۔ گھر کے آنگن میں ابھی پوری طرح اندھیرا چھایا ہوا تھا ۔ دالان کے اندر جلتے ہوئے چراغ کی تو سفید ہو گئی تھی ۔ اور ایک مرغ ڈربے کے اندر بانگ دے رہا تھا ۔ ماں نے دھیرے سے لڑکی کو آواز دی ۔

خاتون!

آج کئی دنوں سے ماں بیٹی کے درمیان بول چال بند تھی، اور پہلی دفعہ ہاجرہ نے خاتون کو مخاطب کیا تھا۔ خاتون نے اس تخاطب کو ماں کی خوشامد سمجھ کر اس طرف آنکھیں گھمائیں اور سمجھ گئی کہ ماں کے منہ سے کیا نکلنے والا ہے ہاجرہ کچھ دیر خاموش رہی۔ اور اس کی خاموشی یہ ظاہر کر رہی تھی جیسے وہ یہ غور کر رہی ہو کہ بات کس طرح کی جائے۔

صبح کے گہرے سناٹے میں کچھ دیر خاموشی رہی۔ بالآخر ماں نے کہا۔

"خاتون! میں تمہاری کون ہوں؟"

"ماں!"

"دشمن تو نہیں ہوں؟"

"نہیں"

"تمہیں یقین ہے؟"

"ہاں"

تو پھر تم مجھ سے یہ سچ سچ بتاؤ کہ تم پہ کیا گذر رہی ہے؟

ماں کے سامنے دل کی ترجمانی بڑی مشکل تھی۔ اس لئے خاتون خاموش ہو گئی۔ وہ یہ کیسے بتا سکتی تھی کہ اس پہ کیا گذر رہی ہے۔ ہاجرہ نے سب کچھ جانتے ہوئے لڑکی سے یہ سوال کیا تھا۔ اور خاتون کی زبان سے اس کے دل کی بات سننا چاہتی تھی۔ مگر جب اس نے ماں کو کوئی جواب نہ دیا تو ہاجرہ پھر کہنے لگی۔

میں نے یہ سوال ماں بن کر نہیں کیا ہے، تم بالکل نہ شرماؤ۔ اور سچ سچ مجھے بتا دو۔

مگر خاتون اپنی ہر امکانی کوشش کے باوجود نہ بول سکی۔ اس کی آنکھوں میں چند آنسو ڈھل کر تکیہ پر گر پڑے۔ اور جنھیں چھپانے کے لئے اس نے لحاف سے اپنا منہ بند کر لیا۔

اس وقت ہاجرہ خود اپنے دل کی بات خاتون سے کہنا چاہتی تھی ــــــ لہذا ذرا دیر چپ رہنے کے بعد اس نے خود ہی کہنا شروع کیا۔

میں نے اپنی نظر سے تمہیں دیکھا تھا۔ اور یہ میری بہت بڑی غلطی تھی، تمہیں تمہاری نظر سے دیکھتی تو بات نہ بگڑ ملتی۔ میں نے شاہد کے مقابلہ میں ارشد کو اچھا سمجھا۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ ارشد اچھا لڑکا ہے۔ تم اس کے ساتھ زیادہ خوش رہتیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ میری آنکھوں کے سامنے رہتیں۔ لیکن تمہاری یہ مرضی نہیں ہے۔ اسلئے میں ارشد کی والدہ سے جنھوں نے تمہارے لئے اپنے لڑکے کا پیام بھیجا ہے، انکار کر دوں گی۔ اور شاہد کو لکھ دوں گی کہ خاتون تمہاری ہے۔

ہاجرہ اتنا کہہ چکی تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ خاتون خاموشی سے ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ماں نے اپنے لفظوں میں کھوئی ہوئی دولت لڑکی کو ڈھونڈ کر دیدی تھی۔ اور جسے پا کر خاتون پھولی نہ سمائی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ماں کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے خوب پیار کرے۔ اور اپنی بے رخی کی معافی مانگے۔ مگر اس وقت کسی خوشی کا اظہار بے حیائی تھی۔ اس لئے وہ خاموش رہی۔

مرغ نے لگاتار کئی بانگیں اور دیں - اور قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آنے لگی - بیر کے کسی درخت پر کوئی پرندہ پھڑپھڑایا - جسے اڑانے کیلئے ہاجرہ نے ٹین میں بندھی ہوئی ڈوری زور سے کھینچ لی - چراغ بھڑک کر خاموش ہو گیا - اور صبح کی سفیدی سارے آنگن میں پھیل گئی —— بہت دنوں کے بعد خاتون کی آنکھوں کے سامنے پھر سے صبح کا ظہور ہو رہا تھا - اور وہ اپنی امیدوں کی روشنی میں بڑی خوش تھی -

ابر کی طرح سے کر دیویں گے عالم کو نہال
ہم جدھر جائیں گے یہ دیدۂ گریاں لے کر

آٹھواں باب

دوپہر کے وقت خاتون کی ایک عزیز سہیلی اسے دیکھنے آئی — اس نے اڑتی اڑتی جب یہ خبر سنی کہ شاہد نے سراج نگر آنا چھوڑ دیا ہے۔ تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اور وہ زعفرانی بیر کھانے کا بہانہ کر کے خاتون سے باتیں کرنے آگئی۔ ان دونوں کے درمیان شاہد کی باتیں پہلے بھی ہو چکی تھیں۔ نہ خاتون کی کوئی بات بلقیس سے پوشیدہ تھی۔ نہ بلقیس کی کوئی بات خاتون سے۔ اس لئے یہ دونوں جب بھی بیٹھیں تو دلوں کے راز زبان پر آگئے۔ خاتون خلاف امید بہت خوش تھی۔ وہ آج نہائی دھوئی بیٹھی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کنگھی چوٹی بھی کئے ہوئے تھی۔ صبح سے دل کی کلی کھل جانے کی وجہ سے اس کا خوبصورت چہرہ پھر پہلے کی طرح شاداب ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اس کے بارے میں ساری افواہیں غلط ہوں، اس حقیقت کے باوجود کہ شاہد نے آنا چھوڑ دیا تھا۔ مگر خاتون پر اس جدائی کا کوئی اثر معلوم نہ ہوتا تھا — یہ حال دیکھ کر بلقیس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ پھر جب دونوں باہر

کی نظروں سے دور اکیلے میں بیٹھیں تو سوال وجواب شروع ہوئے۔

میں تو یہ سن کر آئی تھی کہ تمہیں دق ہو گئی ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا نکلا۔

خاتون اپنی سہیلی کے گلے میں باہیں ڈال کر پہلے خوب ہنسی۔ پھر کہنے لگی۔

دق ہو کہنے والوں کو جنھوں نے تمہیں یہ خبر سنائی ہے۔

مگر کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ شاہد نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ غلط نہیں ہے۔ ایسی صورت میں تمہیں دق تو ہو جانا چاہیئے تھی۔

میری جگہ تم ہوتیں تو تمہیں ہو جاتی۔

ہاں! اگر مجھے ان سے محبت ہوتی۔ یا پھر تم دونوں کو ایک دوسرے سے محبت نہ تھی؟

خاتون اور زیادہ زور سے ہنسی۔ جیسے محبت کا مذاق اڑا رہی ہو۔ مگر پھر بلقیس کو بہت زیادہ پریشان دیکھ کر اس نے اسے سچی بات بتائی۔

مجھے دق ہوئی تھی، میں مر گئی تھی، آج صبح پھر سے زندہ ہوئی ہوں، اماں نے صبح ہی مجھے بتایا کہ وہ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کریں گی۔ شاہد کو خط جا رہا ہے"

"ارشد سے رشتہ ٹوٹ گیا؟"

"آج وہ بھی ٹوٹ جائے گا!"

"مگر ساری بستی میں تو یہ دھوم ہے کہ تمہاری شادی ارشد سے ہو گی"

"میری شادی کی دھوم تو ہر ایک کے ساتھ ہو جاتی ہے" خاتون نے چل کر کہنا شروع کیا۔

"جو میرے گھر دو چار بار آیا۔ بستی والے میری شادی اسی کے ساتھ کرنے لگتے ہیں۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کس کے ساتھ شادی کر دوں؟"

"تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تمہیں خدا نے صورت ہی ایسی دی ہے۔ کہ جو دیکھے وہ ریجھ جائے۔ میں تمہیں ایک بات بتا دوں اور وہ یہ کہ ارشد خاموش بیٹھنے والا آدمی نہیں ہے۔"

"انہیں تم سنبھال لو، میں نے تمہارے لئے شکار چھوڑ دیا ہے۔ ان پر تم اپنا جال ڈال دو، آدمی برے نہیں ہیں۔"

"چولھے میں گئے۔"

بلقیس نے بظاہر بن کر خاتون کو جواب دیا۔ مگر ساتھ ہی اس کا دماغ کام کرنے لگا۔ وہ سوچنے لگی۔ اگر ایسا ہو جائے تو کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ مگر فوراً اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا۔ دراصل بلقیس کے پاس کوئی ایسا . . . . جال نہ تھا، جو وہ ارشد پر ڈالتی، اس کی شکل وصورت واجبی سی تھی۔ رنگ ضرور گورا تھا۔ اور جس نے چہرے کے نقش ونگار ابھار بھی دیئے تھے۔ مگر یہ ساری چیزیں جال کا کام پھر بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ خاتون نے اپنی سہیلی کو ایک کش مکش میں الجھا ہوا دیکھ کر کہا۔

اس سلسلہ میں اگر تمہیں کوئی دقت ہو تو میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔

بلقیس نے شرما کر بات ٹالنا چاہی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ خاتون جو کچھ کہہ رہی ہے۔ وہ اس کے صحیح جذبات ہیں۔ اور وہ حقیقتاً ارشد کے مقابلہ میں شاہد کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ غور سے خاتون کے چہرے کو تکنے لگی۔

"مجھے اُلّو بنا رہی ہو ــــ ؟"

اگر مجھ پر یقین نہ کیا تو اُلّو بن جاؤ گی۔ اور بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے ارشد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

"مگر وہ یہاں کے سب سے بڑے زمیندار کے بیٹے ہیں۔"

"ہوا کریں!"

"اس گھر کی بہو ہونا بڑی بات ہے۔"

"ہوا کرے!"

"اچھی طرح ٹٹول لیا اپنے دل کو؟"

"ٹٹول لیا۔"

اچھا تو ان پر جال تم پھینکو اور ڈوری میرے ہاتھ میں دیدینا۔

دونوں سہیلیوں میں یہ بات طے ہو گئی۔ اور خاتون کا دماغ اسی وقت سے کام کرنے لگا۔ کہ وہ کیا ایسی ترکیب کرے جس سے بلقیس کا جادو ارشد پر چل جائے۔ دراصل وہ خود ارشد سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اور بلقیس کی یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ ارشد خاموش بیٹھنے والے آدمی نہیں ہیں۔ ان کے پاس طاقت ہے۔ دولت ہے اور ایک بڑے گھر کے رکھ رکھاؤ کا غرور ہے۔ لہٰذا وہ اپنا بدلہ ضرور لیں گے۔ اگر کسی طرح وہ بلقیس سے الجھ جائے تو اس کی گلو خلاصی ہو جاتی مگر وہ فریفتہ تو تھے خود اسی پر، یہ الجھن خاتون کے دماغ میں تھی۔ جسے شاید بلقیس نے بھانپ لیا۔

"مگر یہ تو سوچو کہ تمہاری نظر کے مارے ہوئے کسی آدمی نے بھی پانی مانگا ہے۔"

"قسم لے لو، جو میں نے کبھی ان پر نظر اٹھائی ہو"
"لیکن انہیں خود جو غلط فہمی ہوگئی ہوگی"

"اس کا میرے پاس کیا علاج ہے؟ بلکہ میں نے تو ان کی غلط فہمی دور بھی کر دی تھی۔ مگر اماں نے الٹی سیدھی باتیں کر کے پھر دلا دی۔ اب میں سوچ کر کوئی ایسی ترکیب نکالوں گی کہ سانپ مر جائے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔

اور بلقیس اسی وقت سے سہانے خواب دیکھنے لگی۔ طرح طرح کے خیال اس کے دماغ میں چکر لگانے لگے۔ خاتون کی نظر نے ارشد کو ٹھکرا دیا تھا۔ مگر وہ بڑا خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کا کھایا پیا ہوا جسم، اور اس کی جامہ زیبی۔ ہر ایک کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ سراج نگر کی بہت سی لڑکیاں اسے چاہتی تھیں۔ اور بلقیس بھی ان میں سے ایک تھی۔

ارشد نے اپنے دوستوں سے بارہا یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے جس لڑکی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کی ہوگئی۔ اور اس کے دوست اس کے اس دعوے کو تسلیم بھی کرتے تھے۔ صرف خاتون ہی ایک ایسی لڑکی تھی۔ جس نے اس کے اس دعوے کو غلط ثابت کر دکھایا۔ وہ بستی کی اور..... لڑکیوں کی طرح نہ تھی۔ محبت کے معاملہ میں اس کی نظر کہاں پر جا کر ٹکی تھی یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ارشد اپنی امارت کے زعم میں تھا۔ مگر، اپنی لڑکی کو پہچاننے میں ماں کو دھوکہ ہوگیا، بلکہ انتہا یہ ہے کہ شاہد تک نے اسے نہیں پہچانا۔ اور ارشد کے مقابلے میں اپنی شکست مان لی۔

خاتون کو زمانہ کی اس نا قدر شناسی کا بڑا شکوہ تھا۔ اور وہ کبھی کبھی یہ سوچا کرتی تھی کہ اس دنیا میں اس کی قدر کرنے والا شاید کوئی بھی نہیں ہے۔ شاہد چند مختصر،

سے غائب تھا۔ اس عرصہ میں خاتون کا جو کچھ حال ہوا وہ کسی کو نہیں معلوم۔ اور نہ زندگی بھر اس کی حالت کا کسی کو علم ہوتا۔ مگر بات بننا ہی تھی اس لئے ماں کو خود بخود احساس ہو گیا، کہ خاتون ان لڑکیوں میں نہیں ہے۔ جنہیں ان کی مرضی کے خلاف ڈھالا جا سکے اس لیے اس نے لڑکی سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا۔

بلقیس دم بخود بیٹھی ہوئی خاتون کا منہ تک رہی تھی۔ اس کی چھوٹی سی سمجھ کیلئے وہ ایک معمہ تھی۔ اس لیے خاتون باتوں کی تفصیل میں نہیں گئی۔ اور اپنی سہیلی کو یقین دلانے لگی۔

میں کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گی۔ میں ان سے تمہاری خاطر ملوں گی۔ میں نے ان سے کبھی باتیں نہیں کیں، مگر اب کروں گی۔

بلقیس کی للچائی ہوئی نظروں نے بڑی محبت سے خاتون کو دیکھ کر سوال کیا، کیا باتیں کرو گی؟

یہ میں ابھی نہیں بتا سکتی۔ لیکن ان باتوں کا نتیجہ تمہیں معلوم ہوتا رہے گا۔ تم اس معاملہ کو مجھ پر چھوڑ دو۔

دوپہر ختم ہو چکی تھی۔ اور جاڑوں کی دھوپ مرغیوں کے ڈربے پر سے گذرتی ہوئی گھر کی دیواروں کی آخری حدیں چھونے لگی۔ ہاجرہ نے پتیلی میں چائے دم کی اور تھوڑے سے زعفرانی بیروں کے ساتھ دونوں کے سامنے لاکر رکھ دی، ماں کی اس خاطر مدارات سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس کا دل ہلکا ہے۔ اور کوئی بہت بڑا بار اس کے اوپر سے اتر گیا ہے۔

چائے رکھ کر جب وہ جانے لگی۔ تو اس نے مسکرا کر بلقیس کی طرف دیکھا پھر

ہنس کر بولی۔

"مجھے ایک ضروری خط لکھوانا ہے۔ وہ آکر لکھ دو"

بلقیس نے پھر معنی خیز نظروں سے خاتون کی طرف دیکھا۔ اور خاتون نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا۔

"وہ خط شاہد کو جائے گا۔ اور اگلے ہفتے سے وہ پھر سراج نگر آنا شروع کردیں گے"
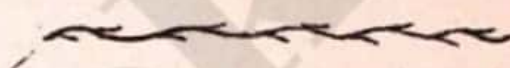
نواں باب

خط خاتون کی غیر موجودگی میں لکھوایا گیا تھا۔ مگر بلقیس نے رخصت ہونے سے پہلے وہ سارا خط اپنی سہیلی کو سنا دیا۔ جس کی ایک نقل اس نے جلدی جلدی اتار لی تھی۔

ہاجرہ کے کام سے فارغ ہو کر وہ دوڑی دوڑی خاتون کے پاس آئی۔ گھبراہٹ سے اس کی گود میں لیٹ کر کہنے لگی۔

مبارک!

اور اتنا کہنے کے بعد اس نے مٹھی میں دبا ہوا پرچہ نکال کر پڑھنا شروع کیا۔ خط حسب ذیل تھا۔

شاہد میاں!

اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ اس دنیا میں بے مروّت کون ہے تو، میں کہوں گی، شاہد! ڈیڑھ مہینے سے تم نہیں آئے اور یہ شکایت اس لئے پیدا ہوئی

کہ تم ہر ہفتہ آیا کرتے تھے، نہ تم آئے، نہ تمہارا کوئی خط آیا۔ تو پھر تمہیں بے مروت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ خاتون تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔ اور تمہارا راستہ دیکھا کرتی ہے۔ تمہارے نام کے انڈوں کا گھر میں ایک ڈھیر لگ گیا ہے۔ اس موسم میں بیر بھی بہت اچھے ہوئے ہیں۔ بازار میں گاجریں بھی آنے لگی ہیں۔ جن کا تمہیں بہت شوق ہے۔ یہ ساری چیزیں آکر کھا جاؤ۔ اس خط کی روانگی کے بعد سے تمہارا راستہ پھر سے دیکھا جائے گا۔ اور یاد رکھو، اسے کبھی ناامید نہیں کیا جاتا جو کسی کا راستہ دیکھ رہی ہو۔ یہ خط تمہیں خاتون کی سب سے اچھی سہیلی بلقیس سے لکھوا رہی ہوں۔ اس لئے وہ جو کچھ لکھے گی وہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ میری اس تحریر کو بہت سمجھنا اور جو کچھ میں نے لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔

دعاگو

تمہاری خالہ

خط سننے کے بعد خاتون بولی۔

"میں اماں کو اتنا عقل مند نہیں سمجھتی تھی۔ ڈھکے بندھے لفظوں کا استعمال کتنی اچھی طرح کیا ہے۔"

"یہ داد تو مجھے دو ننّو ــــ میں نے ان کے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں معنی پہنائے ہیں۔ بقول ان کے میں تمہاری سب سے اچھی سہیلی ہوں۔ اس لئے میں نے خط لکھنے میں اپنی جان لڑا دی۔"

"مگر تمہارا کیا خیال ہے۔ اس خط کا کچھ اثر ہو گا۔؟"

"واہ۔" بلقیس ہنستے ہوئے بولی۔

"کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے" تم نے خود بھی ابھی کہا تھا کہ اگلے ہفتے سے وہ سراج نگر آنا شروع کر دیں گے۔"

میں نے تو آماں کا خیال ظاہر کیا تھا۔ زبان سے نہیں بلکہ تمہاری گھبراہٹ پر آنکھوں کے اشاروں سے کہا تھا۔

اچھا تو اب زبان سے بتاؤ۔ تمہارا کیا خیال ہے وہ نہیں آئیں گے؟

"ہاں مجھے معلوم ہے، سنیچر کی وہ شام اب کبھی نہیں آئے گی۔ چھ ہفتوں تک جو بات نہ ہو، پھر وہ کبھی نہیں ہوتی۔"

"وہ آئیں گے میں شرط بد سکتی ہوں۔"

"ان کو مجھ سے زیادہ تم نہیں جانتی ہو۔"

بلقیس کے پاس خاتون کی اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ شاہد کو بالکل نہیں جانتی تھی۔ اس لئے خاموش ہو گئی۔

عاشقوں کے دلِ مجروح سے کوئی پوچھے!
وہ جو اک لطف نگاہِ غلط انداز میں ہے!
(جگرؔ)

دسواں باب

شاہد نے ہاجرہ کے خط کو بار بار پڑھا۔ جس وقت سے وہ خط اس کو ملا تھا۔ وہ برابر اس پر غور کرتا رہا۔ اس میں پیام و سلام کے سینکڑوں انداز تھے پیار و محبت کے علاوہ جو چیز اس میں بہت نمایاں تھی وہ ہاجرہ کی شرمندگی تھی۔ مگر اب شاہد کے لئے یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل تھا کہ وہ کیا کرے۔ سراج نگر میں ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ اس گھر میں ..... ایک لڑکی رہتی تھی۔ اس کا نام خاتون تھا۔ اور جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ یہ ساری باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں۔ خاتون کا خیالی پیکر نگاہوں کے سامنے آگیا۔ مگر وہ ابھی بڑا آدمی نہیں بنا تھا۔ اور بڑا آدمی بننے کے لئے اپنی کوششوں میں ہمہ تن .... مصروف تھا۔ خط پڑھنے کے بعد اس کے ارادوں میں کمزوری آنے لگی۔ اس کے اپنے مرتبے اور خاتون میں مقابلہ ہونے لگا۔ اگر وہ دو سال جم کر کام کر لے .... تو اپنے صاحب کے کہنے کے مطابق وہ خوردبین ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے راستہ سے ہٹ گیا تو

بات بگڑ جائے گی۔ سراج نگر کا چکر پھر اس کے دماغ پر سوار ہو جائے گا۔ ہر ہفتہ پھر پہلے کی طرح خاتون کے .... خیال سے شروع ہو گا اور اسی کے خیال پر ختم ہو جایا کرے گا۔

مجھے اس محبت بھرے خط کا اثر قبول نہیں کرنا چاہیئے۔

شاہد نے اپنے دل میں یہ قطعی فیصلہ کر لیا۔ اور اس فیصلے کے ساتھ ہی اس نے ہاجرہ کو جواب لکھنا شروع کیا۔

پیاری خالہ جان

آپ کا خط ملا، یہ سچ ہے کہ میں بے مروتی کا سزاوار ہوں مگر جن حالات میں میں نے ایسا کیا اس کا علم آپ کو ہے۔ میں ابھی کچھ دن اور نہیں آسکتا۔ جن کاموں میں الجھا ہوا ہوں ان سے فرصت ملنا بہت مشکل ہے۔ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں ایسا کرنا بظاہر میرے بس میں نہیں۔ مگر دعا کیجئے کہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں سراج نگر ضرور آؤں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ انڈوں کو میرے لئے گندا نہ کیجئے۔ آپ کے درختوں میں نہ بیروں کی کمی ہوگی۔ نہ ڈھیلوں کی، گاجریں یہاں بھی مل جاتی ہیں۔ آپ سب کی صحبتیں بہت یاد آتی ہیں۔ اور انہیں کی یاد اب میری زندگی ہے۔ میرے لئے دعا کیجئے۔ اور بلقیس سے خط لکھنے کا شکریہ ادا کر دیجئے، مجھے یقین ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہی ہوگا۔

آپ کا خادم، شاہد

بستی کی طرف ڈاکیہ کو آتے ہوئے دیکھ کر ہاجرہ کا دل دھڑکنے لگا ــــ پھر وہ چھٹیاں بانٹتا ہوا اس کے دروازہ پر آیا۔ اور دروازے کی دراز سے خط ڈال کر چلا گیا۔ ہاجرہ نے خط اٹھا کر خاتون کو دے دیا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگی۔

یہ خط سوائے شاہد کے اور کس کا ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے خاتون کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔ دھیرے دھیرے خط کی عبارت کے اثرات خاتون کے چہرہ پر نمودار ہونے لگے۔ جب وہ پورا خط پڑھ چکی ــــ اور لفافہ ماں کو واپس کرنے لگی۔ تو ہاجرہ نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"خط میں کیا لکھا ہے۔؟"

خاتون کے چہرہ پر جو تاثر پیدا ہوا تھا۔ اس سے ہاجرہ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ خط حسب منشا نہیں ہے۔ مگر اپنی الجھن دور کرنے کے لئے اس نے خاتون سے یہ سوال کیا تھا۔

لڑکی بولی۔

"جس نے خط لکھا تھا اس سے جواب پڑھوائیے، اس میں کیا لکھا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

خط ماں کے ہاتھ میں دے کر خاتون چلی گئی ــــ کچھ سراسیمہ ــــ کچھ بدحواس، سب کچھ اس کی توقع کے مطابق ہی ہوا تھا۔ مگر وہ یہ نہیں چاہتی تھی۔ پھر اس کی دنیا میں ہر طرف اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اور اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔

ہاجرہ نے چادر سر پہ ڈالی اور خط لئے ہوئے بلقیس کے گھر پہونچی۔ بلقیس

کی ماں ہاجرہ کو دیکھ کر اس سے ملنے کے لئے کھڑی ہو گئیں اور ہاجرہ رسماً ان سے بغل گیر ہو گئی۔ وہ بہت پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی ـــــ اس نے ابھی تک ارشد کی والدہ کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اور اپنی اس احتیاط پر خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ ہاجرہ نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ہر طرف بلقیس کو دیکھا۔ اور پھر وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے بلا کر الگ لے گئی۔

"ذرا شاہد کا یہ خط پڑھنا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ خط انھیں کا ہے۔؟"

"جی ہاں! بلقیس نے ایک ہی نظر میں خط دیکھ کر بتا دیا"

"پڑھو، کیا لکھا ہے؟"

بلقیس نے سارا خط پڑھ کر سنا دیا۔ اور بڑی بے چارگی سے ہاجرہ کا منہ دیکھنے لگی۔ ہاجرہ کو خط سن کر غصہ آ گیا۔ وہ نہیں جانتی تھی، کہ اس کے پیار د محبّت کا اسے یہ جواب ملے گا۔

"اچھا تو یہ بات ہے" ہاجرہ نے اپنے دانت پیسے ـــــ "وہ تو کہو کہ میں نے ارشد کی والدہ سے، ہاں ـــ نہیں، ابھی کچھ نہ کہا تھا۔ میری لڑکی تو کہیں کی بھی نہ رہتی۔

بلقیس ہاجرہ کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کی امید اب پھر ارشد پہ ہے، بلقیس نے اپنے دل میں کہا۔

اس کا مطلب یہ نکلا کہ میں خود کہیں کی نہیں رہی۔

پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے!
سعیٔ غم رائیگاں نہ ہو جائے!
جگرؔ

گیارھواں باب

دوسری دفعہ ماں اور بیٹی کے درمیان منہ اندھیرے سے باتیں ہونا شروع ہوئیں۔ شاہد کا جواب سننے کے بعد ہاجرہ نے گفتگو کو ایک نیا رخ دیا۔ مرغ کی پہلی بانگ سے دونوں کی آنکھ کھلی تھی۔ پھر جب خاتون نے اپنے لحاف کے اندر جمائی لی تو ماں نے اسے مخاطب کیا۔

"تم نے شاہد کا خط تو پڑھ لیا ہوگا؟"

"جی ہاں!"

"وہ تو ایک طرح کا انکار ہے۔"

خاتون خاموش رہی، وہ ماں کو یہ کیسے بتا سکتی تھی۔ کہ خط کا جو مطلب سمجھ میں آیا ہے دراصل وہ خط کا مطلب نہیں ہے۔ خاتون نے شاہد کو اور شاہد نے خاتون کو جن نظروں سے ایک عرصہ تک دیکھا ہے۔ ان میں۔۔۔۔۔ بڑے اقرار پوشیدہ تھے۔ محبت کی وہ امانت جو نظروں سے ایک دوسرے کو ملی تھی،

دونوں کے پاس محفوظ تھی۔ مگر ہاجرہ اس پوری کہانی میں ایک فالتو کردار تھی۔ اس لئے بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

اس نے خاتون کو پھر ٹوکا۔

یہ تو بری بات ہے کہ ان کے انکار کے بعد بھی ہم ان کی خوشامد کرتے رہیں۔

خاتون پھر بھی کچھ نہیں بولی۔ مرغ نے ڈربے کے اندر لگاتار کئی بانگیں اور دیں۔ اور مٹی کے تیل کا چراغ اک دم سے بھڑک کر خاموش ہو گیا۔ سارے گھر میں ابھی پوری طرح اندھیرا مسلط تھا۔ اور تالاب کے اس پار سے سیاروں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جو شاید صبح کی سردی میں چلا رہے تھے، اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے ماں بیٹی کے درمیان حجاب کا پردہ کچھ اٹھ سا گیا شکلیں آنکھوں کے سامنے نہ تھیں۔ اس لئے بے شرمی کو زیادہ سہارا مل گیا۔ ماں نے اب جو سوال کیا اس میں پہلے سے زیادہ خوشامد تھی۔

میں جو کچھ کر رہی ہوں تمہارے فائدے کے لئے کر رہی ہوں۔ اگر ارشد سے بھی زیادہ کوئی امیر لڑکا اس بستی میں ہوتا تو میں اسے پسند کرتی۔

خاتون نے دبی زبان سے جواب دیا۔

" مجھے آپ کی یہ بات پسند نہیں ہے۔ آپ ماں ہیں، آپ کو اختیار ہے۔ مگر میں بھی بچی نہیں ہوں "

" اسی لئے تم سے کھل کر بات کر رہی ہوں — تم بچی نہیں ہو، اسی لئے میں نے شاہد کو خط لکھوایا تھا۔ اور اس کی خوشامد کی تھی — مگر اس کے جواب کے بعد میرے

پاس اور کیا طریقہ رہ جاتا ہے۔ ؟"

خاموشی !

زندگی بھر ان بیر کے درختوں کے نیچے بیٹھی رہو گی۔ میری آج آنکھ بند ہو جائے پھر کیا ہو گا۔ ؟

"اللہ مالک ہے !"

"اللہ نے عقل دے کر اپنے بندوں کو تھوڑا سا خود مختار بھی کیا ہے۔ یہ محبت چار دن کی ہے۔ باقی رہنے والی چیز ارشد کی جائیداد ہے۔ اس بڑے گھر کا آرام ہے جو تمہیں ہمیشہ نصیب ہو گا۔ ارشد اگر ہاتھ سے نکل گیا۔ تو زندگی بھر پچھتاؤ گی۔

اماں ! خاتون اک دم جلبلا کر اپنے بستر پہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میری نظر دولت پر نہیں ہے۔ میں اپنے دل کا چین چاہتی ہوں۔ اور یہ مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ملے گا۔ مجھے نرالا گھر نہیں چاہیئے۔ تمام بڑے گھروں کی اپنی ایک عزت ہوتی ہے۔ مگر وہ بڑے گھر خود کسی کی عزت نہیں کرتے۔ !

ہاجرہ نے غور سے لڑکی کی باتیں سنیں۔ اور ذرا دیر کے لئے چپ ہو گئی۔ اسے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے خاتون خدائی دعویٰ کر رہی ہو۔ جن باتوں کا علم ماں کے نزدیک صرف خدا کو ہونا چاہیئے تھا۔ انھیں خاتون بیان کر رہی تھی۔ اور اتنے وثوق سے بیان کر رہی تھی۔ جیسے اسے ہر بات کا علم ہے۔

خاتون نے ماں کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر پھر کہنا شروع کیا۔

دنیا پہلے سے بہت بدل گئی ہے۔ اس بستی کی دنیا میں جائیداد کی جو بھی اہمیت ہو، ورنہ شہروں میں دستکاری اور صنعت کو بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ اور اب

دنیا میں یہی دو چیزیں زیادہ ترقی کریں گی -!
مگر تم تو اپنی بستی میں جو کچھ ہے اسی پر نظر رکھو -
"میں صرف اپنے گھر پر نظر رکھتی ہوں"—— خاتون نے طنزاً ماں سے کہا -
"جس میں چند بیر کے درخت ہیں اور چند مرغیاں —میں کسی کی جائیداد کا خواب نہیں دیکھتی"

"تو پھر صاف کہو کہ تمہیں یہ رشتہ منظور نہیں -!"
ہاجرہ نے اتنا کہہ کر دوسری طرف کروٹ لی - اور بستی کی دو مسجدوں سے ایک ساتھ اذان کی آوازیں گونجیں - خدا کی وحدانیت کا اعلان یہ آواز بلند ہونے لگا - موذن کی اس آواز کی برکت سے سراج نگر کی صبح طلوع ہوئی - اور ہاجرہ سرہانے سے اپنی تسبیح ٹٹول کر اٹھ کھڑی ہوئی - جسے وہ رات کو پڑھتے پڑھتے تکیہ کے نیچے رکھ کر سویا کرتی تھی - اس کے دل میں دبی ہوئی ایک دعا اس کے لبوں پر تھی -
"خاتون کے دل میں نیکی ڈال، اسے راہ راست پر لا، اسے اپنے نیک و بد کی تمیز کرنا سکھا"
تقریباً یہی دعا خاتون کی زبان پر بھی تھی -
"اماں کو عقل سلیم دے، انہیں لالچ کے پھندے سے چھڑا، انہیں نیک توفیق دے"
ماں اور بیٹی دونوں صبح کی نماز سے فارغ ہوئیں - اور پھر جب خاتون صبح کی چائے کے لئے گھر کی بکری کا دودھ دوہنے لگی - تو اس نے ماں کو خود سے مخاطب

کیا۔

"مجھے اتنے بڑے گھر میں بھیجنے کی تیاری آپ نے کی ہے؟۔ اتنے بڑے گھر میں آپ کی غریب لڑکی جائے گی، تو لے کر کیا جائے گی"؟

ماں نے تڑسے جواب دیا۔

"تم اپنی چاند سی صورت لے کر جاؤ گی"

مگر اماں، یہ چاند سی صورت تو چند روز کی ہے۔ پھر اس پہ خاک پڑ جائیگی۔ دن گذرنے پر بڑے بڑے چاند گھنا جاتے ہیں۔ اگر کسی چیز پر خاک نہیں پڑیگی وہ میرا مزاج اور طبیعت ہے۔ اور جس کے نہ بدلنے پر مجھے طعنے دیئے جائیں گے، اور میں ساری عمر جل جل کر مروں گی"

ماں نے جب کوئی جواب نہ دیا تو لڑکی کی اور زیادہ ہمّت بندھی۔

"اماں! نوشاد بیگم اپنے غریب گھر سے سراج الدین کے خاندان میں گئیں مگر انھیں حویلی کہاں راس آئی۔ ان کے میاں نے تین شادیاں کیں، اور دو بیویوں کو جلا جلا کر مار ڈالا۔ بڑے گھروں کی بڑی باتیں ہوا کرتی ہیں، آپ جو بات کیا کریں اپنے چھوٹے گھر کو دیکھ کر کیا کریں"

ہاجرہ بظاہر لاجواب تھی۔ نوشاد بیگم کے قصّے کو وہ کس طرح جھٹلاتی۔ جو اپنے شوہر کی بدعنوانیوں کی بدولت دق میں مر چکی تھی۔ مگر پھر بھی محض جواب دینے کے لئے اس نے خاتون سے کہا۔

"تم تو اپنی قسمت کا حال جانتی ہو، جو آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو نوشاد بیگم کا ہوا۔؟"

"مجھے معلوم ہے۔" خاتون اسی طرح بول رہی تھی، جیسے سچ مچ وہ اپنی قسمت کا حال پڑھ رہی ہو۔ اچھی صورتیں اس لئے بدقسمتی کا شکار ہوتی ہیں کہ انھیں پائندار سمجھا جاتا ہے۔ ماں باپ اپنی خوب صورت لڑکیوں کے ۔۔۔۔ بارے میں یہ کبھی نہیں سوچتے کہ وہ عمر ڈھلنے پر بری ہو جائیں گی اور تب ان سے بڑا گھر اپنا بدلہ لے گا۔

خاتون ہر ممکن کوشش سے ماں کو سمجھا رہی تھی۔ مگر ہاجرہ کی عقل بار بار اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی تھی۔ اس نے خاتون کو پھر ڈانٹا۔

یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ فقیروں کی لڑکیاں بادشاہوں کے گھر جاتی ہیں۔ اور زندگی بھر عیش کرتی ہیں۔

مگر اماں آج کل آنکھ بند کر کے قسمت کا کھیل نہیں کھیلا جاتا۔ بلکہ ہر کام کو عقل سے سوچنا پڑتا ہے۔ امارت جب غربت کو تسلیم کرتی ہے تو حقارت کے ساتھ کرتی ہے۔ اور وہ حقارت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ وہ حقارت اگر ارشد کے دل میں نہ ہو گی تو ان کی والدہ کے دل میں ہو گی۔ وہ اپنے لڑکے کی خوشی پوری کر رہی ہیں اسیطرح اگر میں چپ رہوں، تو آپ کی خوشی پوری کروں گی، اپنی نہیں۔

اور اسی طرح خاتون نے منہ اندھیرے سے اب تک باتوں باتوں میں ماں کو صاف صاف جواب دیدیا تھا۔ مگر اس سوال کی تشریح پھر بھی باقی تھی۔ کہ شاہد کے پاس سے صاف جواب آجانے کے بعد خاتون نے اپنے لئے سوچا کیا ہے۔
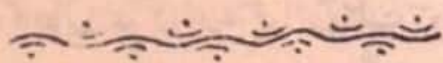
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا۔

بارھواں باب

دو مہینے کا طویل عرصہ جب خاتون کو دیکھے بغیر گذر گیا تو شاہد کے دل پر وہ پہلا سا اضطراب باقی نہ رہا۔ کبھی کبھی یہ جذبہ اب بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا بے اختیار دل چاہتا ہے کہ خاتون اس کی نظروں کے سامنے ہوتی۔ مگر وہ جذبہ بھی مجبور ہو کر دم توڑ دیتا۔ اور شاہد اپنے کام میں اپنے کو بہلانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

اس نے بارہا اپنے کمرے کی تنہائی میں بیٹھ کر ہاجرہ کے خط کو پڑھا۔ اور ان لفظوں میں خاتون کی صورت دیکھنے کی کوشش کی۔ کبھی کبھی اس کے دل نے یہ بھی کہا۔

اسے ہاجرہ کے بلاوے پر سراج نگر چلا جانا چاہیئے تھا۔ خاتون نے نہا دھو کر اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر کتنی شاموں کو دروازہ پکڑ کر اس کا راستہ دیکھا ہو گا۔

پھر اسی دل نے یہ بھی کہا۔

تو کس بھول میں ہے۔ خاتون کا دل ارشد سے بہل گیا ہوگا۔ وہ ارشد جس سے اس کی ماں کو ساری سنہری امیدیں وابستہ ہیں۔ وہ دولت مند باپ کا لڑکا میرے مقابلہ میں کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ خاتون ضرور اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہو گی۔

شاہد کے مختلف خیالات مختلف کیفیات پیدا کرتے تھے۔ اور وہ کسی صحیح نتیجہ پر نہ پہونچ پاتا تھا۔ یہ سوچ کر اس کا دل دھڑکتا بھی تھا۔ کہ خاتون ارشد کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہو گی۔ مگر یہی گمان اس کے دل میں صبر بھی پیدا کرتا چلا گیا۔ یہ کمزوری خیال سہی مگر یہ سوچ کر شاہد کو بڑا سکون ملا۔ کسی مقام پر پہونچ کر جب یہ پتہ چلے کہ یہ منزل نہیں ہے تو مسافر دم توڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ بجنسہٖ یہی حال شاہد کا ہوا۔ مدتوں سائیکل دوڑانے کے بعد اور ناز برداریاں اٹھانے کے بعد جب اسے یہ پتہ چلا کہ خاتون اس کی نہیں ہے کسی اور کی ہے۔ تو اس کا نڈھال ہوجانا لازمی تھا۔ شاہد نے بہت ٹھنڈے دل سے سوچ کر سراج نگر سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ اول تو وہ ارشد سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر کرتا بھی تو اس کیلئے اپنی شکست کی تاب ناقابل برداشت تھی۔ نہ معلوم کہ اسے خاتون کی طرف سے کیوں یہ بے یقینی تھی۔ کہ وہ ارشد کے مقابلہ میں اس کی نہ ہو سکے گی۔ یہ شک خاتون سے بے انتہا محبت ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ ورنہ اس کی کوئی اصلیت نہ تھی۔ خاتون اپنی زبان کو کام میں لائی تھی۔ دل چیر کر نہ دکھا سکی۔ اور شاہد نے ایک طرف فیصلہ کر لیا۔

وہ اب صبح سے شام تک اپنے کام میں مصروف رہتا۔ اب بھی ساری

جدوجہد کا پس منظر بھی خاتون ہی ہوتی - وہ جو کچھ ترقی حاصل کرنے کے لئے کر رہا تھا اس کی تہہ میں یہی چیز کارفرما تھی۔ کہ وہ ارشد سے مقابلہ کرے گا- اور خاتون کو جیت لے گا-

سراج نگر کو چھوڑے ہوئے آج آٹھواں اتوار تھا- سراج ہاؤس کے اندر اور باہر ایک شور بپا تھا- تعطیل ہونے کی وجہ سے تمام لوگ گھر ہی پر تھے - اور اپنی دلچسپیوں میں مشغول تھے- شاہد سوچ رہا تھا- اگر وہ اس وقت سراج نگر میں، ہوتا- ہاجرہ کے ادھر ادھر ہونے کے بعد خاتون اس کے پاس تنہا بیٹھی ہوئی پیار و محبت کی باتیں کر رہی ہوتی- وہ باتیں جس کا علم ابھی تک کسی کو نہیں ہے- اور نہ شاید ہو گا- اس لئے کہ وہ باتیں دو سچے دلوں کا راز تھیں - خاتون نہ صرف خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھی بلکہ عقل میں بھی بہ مشکل اس کا جواب مل سکتا تھا- چنانچہ شاہد کا انتخاب اس کی عقل کا انتخاب تھا- اور اسی لئے وہ ارشد کو وہ مقام نہ دے سکی - اس لڑکی کے دل کا راز شاہد کو معلوم تھا- اور وہ اس وقت خاتون کی ان ہی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا- خاتون شاہد سے بے پناہ محبت کرتی تھی- اس محبت میں اور اضافہ ہوا- جب شاہد نے جواب میں لکھا کہ وہ نہیں آسکتا، اسے اس کی یہ خودداری بہت پسند آئی- وہ اپنی ماں کی طرح جواب پڑھ کر بالکل نہ گھبرائی- بلکہ اس نے تو بلقیس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاہد نہیں آئے گا- اسے معلوم تھا کہ اس سے محبت کرنے والا خوددار ہے- غیور ہے اور اسے ہونا چاہیئے-

مگر جس طرح شاہد کبھی کبھی مضمحل ہو جاتا اسی طرح خاتون بھی ہو جاتی، دونوں

اپنی جگہ پر پتھروں کی طرح اٹل تھے۔

شاہد کے ذہن میں ایک ایک بات آتی رہی۔ اور جاتی رہی۔ ان خیالوں سے ہٹنے کے لئے اس نے ایک کتاب لے کر پڑھنا شروع کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

اسی ادھیڑبن میں تھوڑا عرصہ اور گذرا کہ ناگہاں بند دروازے کی درز سے ایک لفافہ نمودار ہوا۔ اور فرش پہ آکر گرا۔ شاہد خط کی طرف اس طرح لپکا۔ جیسے کوئی نعمت ٹپک پڑی ہو، اس نے لفافہ اٹھا کر اٹھا لیا۔ پہلی مہر... سراج نگر کے ڈاکخانہ کی لگی ہوئی تھی ۔۔ لفافہ چاک کر کے اس نے جلدی جلدی خط پڑھنا شروع کیا۔ خط ہاجرہ کا نہیں تھا۔ بلکہ بلقیس کا تھا۔ مضمون یہ تھا۔

" شاہد بھائی آداب !"

خالہ کے خط کا جواب آپ نے دے دیا۔ اب میرے خط کا جواب دیجئے ـــــ میں آپ کی ان کی سہیلی بلقیس ہوں، جسے چھپ کر آپ نے ایک دفعہ دیکھا تھا۔ اور خاتون سے کہا تھا کہ میں بدصورت ہوں، وہی بدصورت لڑکی آپ کو یہ خط لکھ رہی ہے۔

یہ بتایئے کہ آپ نے اپنی خوب صورت، خاتون کو چھوڑ کیوں دیا؟ جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ صحیح حالات سے آپ کو آگاہ، نہیں کر سکتی۔ ارشد اس کی جان کا روگ ہو گئے ہیں۔ مگر کیا پتہ یہ روگ اسے لگ ہی جائے۔ کسی لڑکی کو اس کی طاقت سے زیادہ نہیں آزمانا چاہیئے۔ آپ آیئے، تاکہ ارشد سے اس کا پیچھا چھوٹے یہاں ساری خدائی ارشد کے ساتھ ہے۔ صرف میں خاتون کا ساتھ

دے رہی ہوں۔ اور وہ اس طرح کہ ارشد سے خود محبت جتا کر اس کے ساتھ شادی کر لوں۔ مگر یہ اسکیم اس وقت تک عمل میں نہیں آسکتی جب تک کہ آپ یہاں نہ ہوں۔ خاتون کی جان اسی طرح بچ سکتی ہے کہ ارشد کی شادی میرے ساتھ ہو جائے۔ انکی والدہ نے بہت دن ہوئے میری والدہ سے کہا تھا۔ مگر اس عرصہ میں ارشد خاتون پر ریجھ گئے۔ اس لئے وہ پرانا پیام چھوٹ گیا۔

اگر آپ اب بھی اپنی اکڑ میں رہے تو سوائے اس کے آپ کو کف افسوس ملنا پڑے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ میں نے یہ خط خاتون کو دکھا دیا ہے۔ اس پر ان کے دستخط لے لئے ہیں تاکہ آپ کو ہماری مشترکہ اسکیم کا یقین ہو جائے۔ فقط

آپ کی بدصورت

بلقیس۔ خاتون

خط پڑھنے کے بعد خاتون کی جنبش قلم کو اس نے بار بار دیکھا۔ اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگا۔ بلقیس کے خط کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں اتر گیا۔ اس لئے کہ اس پر خاتون کے دستخط تھے۔ جیسے وہ کسی بنک کے منیجر کی طرح پہچانتا تھا۔

مگر ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوچا۔

خاتون نے اسے کچھ لکھا کیوں نہیں؟ یہاں تک کہ رسمی سلام لکھوانے سے بھی احتراز کیا۔ کیا وہ اس سے ناراض ہے۔؟

یہ سوال بار بار شاہد کے دل میں چٹکیاں لینے لگا۔ اسکا دماغ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سراج نگر جا کر اپنی خود ساختہ اسکیموں کو ختم کر دے۔ صاحب سے چھوٹا بنے، بڑا آدمی بننے کے جو خواب اس نے دیکھے تھے۔ انھیں بھول جائے؟

بڑی دیر تک اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ اس نے خط کو دوبارہ پڑھا، اس پر ہر ہر لفظ کا کچھ اور ہی مطلب نکلا۔

یہ خواہش بلقیس کی ہے کہ ارشد کی شادی خاتون کے ساتھ نہ ہو۔ خاتون کی نہیں ہے۔

مگر پھر اس نے اس پر اپنے دستخط کیوں کئے۔؟

یہ دستخط بلقیس نے زبردستی لئے ہوں گے۔ اور خاتون نے بلقیس ہی کو دھوکا دیا ہوگا۔ وہ اپنی ایک عزیز سہیلی کی خاطر کیا وہ اتنا بھی نہیں کر سکتی تھی؟"

وہ سراج نگر نہیں جائے گا۔ اور اپنی کوششوں میں مصروف رہیگا۔

ارادہ کی پختگی ارادہ کی کمزوری سے بدل گئی۔ شاہد کی محبت بھی بے پناہ تھی۔ اور شکوک بھی بے پناہ تھے۔ وہ کسی طرح کسی فیصلہ پر نہ پہونچ سکا۔

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا کہتے ہیں اس عقدہ کا وا ہو جانا

تیرھواں باب

دوپہر کو خاتون بلقیس کے یہاں بیٹھی ہوئی دھوپ کھا رہی تھی۔ بلقیس کا کھاتا پیتا گھر، بستی میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اس گھر میں صبح سے شام تک لوگوں کا تانتا بندھا رہتا۔ مگر اس وقت بلقیس اور خاتون جہاں بیٹھی تھیں وہاں بالکل تنہائی تھی۔ بلقیس کے آراستہ کمرے کے صحن میں جہاں آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں تھی۔ دونوں سہیلیاں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں۔ ارشد سے خاتون کی گفتگو ہو چکی تھی۔ اور بلقیس شاہد کو خط روانہ کر چکی تھی۔ اس لئے گفتگو کا بڑا مواد دونوں کے پاس موجود تھا۔

بلقیس صورت کی اچھی نہ تھی۔ مگر اس میں بڑا بانکپن تھا۔ اور وہ بانکپن ہی ارشد کو پسند بھی تھا۔ مگر خاتون کو کسی شادی کے گھر میں پہنے اوڑھے دیکھ کر اسکے ایمان میں لغزش آگئی تھی اور اس دن سے وہ خاتون کے پیچھے دیوانہ تھا۔

خاتون نے بتایا،

وہ میری جان آسانی سے نہیں چھوڑیں گے ؛ بلکہ وہ تو میرے ساتھ سچی محبت کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

یہ دعویٰ کبھی میرے ساتھ بھی تھا۔ بلقیس کہنے لگی۔ جس کا اب نام ونشان بھی نہیں ہے۔

میں نے یاد دلایا تھا۔ اور شرم بھی دلائی تھی۔ میں نے کہا تھا: ..... کسی کو آسرا دے کر اس طرح چھوڑ دینا اپنے ضمیر کی توہین ہے۔"

"پھر کیا بولے ہے؟"

بیٹھے سنتے رہے، میں نے پھر کہا۔ "میرا بھی کبھی یہی حشر ہو سکتا ہے، مجھ سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں دنیا میں موجود ہیں۔ ان میں سے جب بھی آپ کو کوئی نظر آگئی میری حیثیت وہی ہو جائے گی جو بلقیس کی ہے۔" اس پر وہ بولے۔

"خاتون! محبت زبردستی کا سودا نہیں ہے۔ تم چاہتی ہو، میں بلقیس سے محبت کروں، مگر کیا ایسا کرنا میرے بس میں ہے۔ اور کیا یہ میرے بس میں ہے کہ میں تم سے کنارہ کش ہو جاؤں۔"

"مگر مجھے کسی اور سے محبت ہے۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے ارشد کو جواب دیا۔ اور انھیں سمجھایا کہ زبردستی کی محبت نہ آپ کو بلقیس سے ہو سکتی ہے، نہ مجھے آپ سے، اس لئے اس قصّہ کو ختم کر دیجیے۔"

ارشد میری اس بات پر میرا منہ تکنے لگے۔ حقیقت جاننے کے بعد جو کیفیت کسی کی ہو سکتی ہے۔ وہ ان کی ہو گئی۔ مگر پھر وہ موٹے موٹے آنسوؤں سے رونے لگے۔ اور مجھے ان پر رحم آگیا۔

بلقیس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسے معلوم تھا کہ اب خاتون کیا کہنے والی ہے۔ امیدوں کے سارے چراغ ایک ایک کر کے اسکے سامنے گل ہو گئے۔ اور پھر اس نے خاتون سے کچھ پوچھنا بیکار سمجھا۔ مگر خاتون نے خود ہی بات بڑھائی۔

میں نے انھیں ڈھارس دی کہ آپ دل تھوڑا نہ کریں، آپ کو حقیقت بتانا ضروری تھا۔ اس لئے یہ باتیں میری زبان پر آگئیں۔ میں نے ان سے صاف صاف کہا کہ میں شاہد کو زندگی میں کبھی بھول نہیں سکتی۔ حتیٰ کہ آپ کی مجھ سے شادی ہو جائے گی پھر بھی شاہد میرے دل پر حکومت کرتا رہے گا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے ان سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔

بلقیس کو خاتون کی اس صاف بیانی پر تعجب تھا۔ ایسی خاموش لڑکی، ایسی دیدہ دلیر کیسے بن سکتی ہے۔؟ مگر وہ جس طرح اپنی گفتگو کو دہرا رہی تھی اس پر بے یقینی کا بھی کوئی سوال نہ تھا۔ بلقیس نے تعجب بھرے انداز سے سوال کیا۔

تم نے یہ سب کچھ ارشد سے کہا ہے۔؟

"میں نے نہ جانے کیا کیا کہا۔ اس وقت تو میں بالکل جذباتی بن گئی تھی، اور بولتی ہی چلی جا رہی تھی۔ مگر یہ سب کچھ میں نے تمہاری حمایت میں کہا، اور اس لئے کہا کہ وہ میری طرف سے کروٹ موڑ کر تمہاری طرف لے لیں مگر ابھی ایسا ممکن نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ارشد کا یہ نشہ اتار دوں گی۔ مگر رفتہ رفتہ"

"اور اگر خود اس نشہ میں سرشار ہو گئیں ؟"
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے بلقیس ؟" خاتون نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "تم نہ پوری طرح شاہد کو جانتی ہو نہ مجھے ، ارشد کو ہم دونوں جانتے ہیں۔ اور اسی لئے مجھے اپنی کامیابی کی امید ہے۔"
"اچھا یہ بتاؤ !" بلقیس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "شاہد میرے خط کا کیا جواب دیں گے ؟"
خاتون اس سوال پر ہنسی۔ جیسے اسے معلوم تھا کہ بلقیس کے خط کا کیا جواب آئے گا۔ پھر اس نے کہا۔
"تم نے ضد کی تھی ، اس لئے میں نے تمہارے خط پر اپنا نام لکھ دیا۔ آج چار ہفتوں سے شاہد کے نہ آنے کا کچھ مطلب ہے ، جس کا سمجھنا اتنا آسان نہیں۔ وہ نہیں آئیں گے ، انھیں یہ غم اس کی طرف سے پہونچا ہے جس کے بارے میں وہ کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ میری مسلسل خاموشی کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ تو پھر ان کے پاس کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم مل کر بچھڑے ہیں۔ جب ملے تھے اس میں بھی ایک شدّت تھی ، اب . . . . بچھڑے ہیں لہذا اس میں بھی ایک شدّت ہو گی۔"
"لیکن اس جدائی کا نتیجہ کیا نکلے گا ؟" بلقیس گھبرا کر چلّائی۔
"نتیجہ کا انتظار کرو۔ یہ ابھی کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ ہمارا حشر کیا ہو گا ؟ یہ ذکر دنیا کے لئے ایک افسانہ بھی بن سکتا ہے۔"
خاتون مسکرا رہی تھی ، مگر بلقیس انجام کو سوچ کر تھر تھر کانپنے لگی۔ پھر

اس نے خاتون سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس امید کا سہارا لیکر ......
خاموش ہو گئی۔ کہ خاتون نے اس کے اور ارشد کے درمیان دوستی پیدا
کرنے کا وعدہ کیا ہے۔
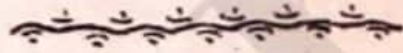
پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا۔
برابر آ رہا ہے جا رہا ہے

جگرؔ

چودھواں باب

بغیر کسی خاص بات کے پورا ایک مہینہ گذر گیا ـــــ نہ شاہد نے سراج نگر کا رخ کیا، نہ ارشد اور بلقیس کے مراسم بڑھ سکے۔ اس عرصہ میں ہاجرہ بی بی اپنے پیڑوں کی دیکھ بھال میں لگی رہیں۔ وہ ارشد کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئی تھیں، انھیں اطمینان تھا کہ خاتون اب پہلے کی طرح غمگین نہیں ہے۔ شاہد کے نہ ہونے کے باوجود وہ خوش ہے۔ اسے یہ خوف نہیں ہے کہ ماں اس کی مرضی کے خلاف ارشد کے ساتھ اس کی شادی کر دیگی ـــــ زندگی میں یہی ایک اطمینان اسے درکار تھا۔ اور ہاجرہ بی بی اپنی لڑکی کو یہ اطمینان دیکھ کر اپنے پیڑوں کی دیکھ بھال میں .... لگ گئی تھیں۔

آدھا سال وہ اپنے پیڑوں کی نگہداشت میں گذارتی تھیں، آدھا سال ان کی فروخت میں، اور اس طرح ان کی زندگی کے دن کٹ رہے تھے۔

اگر قرار نہیں تھا تو ارشد کے گھر میں، ماں کو اپنے لڑکے کی بے تابی کا

ہوا علم تھا۔ جس نے خاتون سے صاف جواب پاکر اپنے لئے دنیا کو بیکار سمجھ لیا تھا۔ اور سب سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔ خاتون کا یہ فیصلہ کہ وہ شاہد کو اپنی عمر کے کسی حصہ میں نہیں بھول سکتی۔ ارشد کے لئے ناقابل برداشت چوٹ تھی۔ اور جس کی تکلیف سے وہ تقریباً پاگل بن چکا تھا۔ اسے اپنی دولت، اپنا وقار، بستی میں اپنا سب سے زیادہ کھاتا پیتا گھر بیکار معلوم ہونے لگا۔ جب خاتون نے اسے ٹھکرا دیا۔ اور ان چیزوں کی کوئی وقعت اس کے دل میں نہ رہی تو اسکے وجود سے کیا فائدہ۔ ہے ——— وہ سارا سارا دن اپنے کوٹھے کے کمرے میں پڑا رہتا۔ نہ اب اسے باغوں کی دیکھ بھال سے مطلب تھا، نہ کھیتوں کی نگہداشت سے، اور ماں کو یہ فکر لاحق تھی کہ اگر ارشد نے کندھا ڈال دیا تو لاکھ کا گھر خاک ہو جائے گا۔

یہی سب کچھ سوچ کر وہ ایک دن ہاجرہ سے ملنے گئیں۔ انھوں نے جب ایک غریب گھر میں پہلی دفعہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو سب حیرت میں رہ گئے۔ ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

"بیگم کو ایسی کیا ضرورت پیش آگئی کہ ہاجرہ کے گھر جا رہی ہیں؟"

اب سوال کے جواب کے لئے جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں۔ مگر یہ کسی نے نہیں کہا کہ اپنے لڑکے کا رشتہ دینے گئی ہیں۔ یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ کہ بیگم پہ ایسا وقت بھی پڑ سکتا ہے۔

وہ سب سے چھپ چھپا کر ہاجرہ کے گھر پہونچ گئیں۔ مگر ان کے گھر کی ونڈیوں، باندیوں نے ان کے جانے کے بعد شور مچا دیا تھا۔ جب سواری ہاجرہ

کے دروازے پر پہونچی اور دستک ہوئی تو سب سے پہلے خاتون نے اپنے کان کھڑے کئے۔

"امّاں! کوئی آیا ہے!"

ہاجرہ بی بی اپنے زعفرانی بیروں میں دھجیاں باندھ رہی تھیں۔ اور انھوں نے خاتون کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ مگر جب بیگم ہنستی ہوئی گھر کے اندر داخل ہوئیں تو ماں بیٹی ایک ساتھ ان کے استقبال کے لئے دوڑیں۔ ہاجرہ کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا۔

"بیگم آپ؟"

"ہاں! میں نے سوچا آج تمہارے زعفرانی بیروں کو تمہارے گھر چل کر کھاؤں"

ہاجرہ بی بی اپنا کھٹولہ درختوں کے نیچے سے گھسیٹ لائیں۔ پھر جلدی جلدی اس پر ایک صاف چادر بچھائی۔ اور بیگم کو بٹھا دیا۔ ہاجرہ بی بی ذرا دیر تک اپنی آنکھوں پر یقین نہ کر سکیں۔ کہ بیگم ان کے گھر آئی ہیں —— اور وہ عالم استعجاب میں انھیں گھورتی رہیں۔ مگر بیگم وقت کو نہ برباد کرنے کی خاطر اک دم سے بے تکلف ہو جانا چاہتی تھیں۔ وہ مسکرا کر بولیں۔

"کئی دن سے آنے کو کہہ رہی تھی۔ مگر تم تو جانتی ہو کہ میں کتنی عدیم الفرصت ہوں"

"میں جانتی ہوں" ہاجرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مگر تم نے یہ تکلیف کیوں کی۔؟

قبل اس کے کہ بیگم اپنے آنے کا مقصد بیان کریں خاتون دبے پاؤں وہاں سے چل دی۔ اس کا دل کھٹک گیا کہ بیگم کی غیر متوقع آمد کا کیا مطلب ہے۔ وہ بظاہر گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ مگر اس نے اپنے کان بیگم کی باتوں کی طرف لگائے رکھے۔ اور جو ہاجرہ بی بی سے کہہ رہی تھیں۔

"ارشد پر دیوانگی کے تابڑ توڑ دورے پڑ رہے ہیں۔ اس لئے مجھے تمہارے پاس آنا پڑا، وہ حال سے بے حال ہوا جا رہا ہے۔"

"ہاجرہ بی بی سکتہ میں آ گئیں" ان کی زبان کچھ کہتے کہتے رک گئی ——
انھوں نے پہلے گھوم کر خاتون کی طرف دیکھا۔ اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ وہ کافی دور ہے۔ بولیں۔

"میں اپنی لڑکی سے مجبور ہوں، وہ نہیں چاہتی تو پھر میں کیا کر سکتی ہوں"
"مگر تمہارے ہوتے ہوئے تمہاری لڑکی کیا چاہتی ہے؟ اور کیا نہیں چاہتی —— یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میری لڑکی، اور لڑکیوں جیسی نہیں ہے۔"

"تم نے لاڈ میں خراب کر دیا ہوگا۔ خدا کی شان ہے کہ میں تم سے التجا کر رہی ہوں اور تم ٹھکرا رہی ہو۔"

"ٹھکرا نہیں رہی ہوں بیگم، ہاجرہ خوشامد کرنے لگی۔ میں نے خاتون کو بہت سمجھایا۔ ڈرا دھمکا کر بھی اور محبت سے بھی۔ مگر جب وہ کسی طرح رضامند نہ ہوئی تو مجھے بھی مجبور ہونا پڑا۔"

"تم ماں بن کر مجبور ہو گئیں، یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔"

"تعجب کی بات ہے؟ آپ بھی تو ماں ہو کر مجبور ہو گئیں۔ آپ کا ارشد پر قابو نہیں رہا۔ میرا خاتون پر۔"

قابو کی بات نہیں، بلکہ میں نے تو یہ چاہا کہ خاتون زندگی بھر عیش . . . کر لے، شہر سے لڑکی بیاہ کر لاؤں، اللہ جانے اس سے میرا نباہ ہو نہ ہو۔ خاتون جانی پہچانی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا . . . . . .

بیگم کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ انھیں کسی ایسے بہانے کی تلاش تھی جو اصلیت پر پردہ ڈال دے۔ وہ یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ وہ اپنے لڑکے کی بیتابی دیکھ کر خوشامد کرنے آئی ہیں۔ ہاجرہ نے ان کے تذبذب کو دیکھکر کہا۔

یہ تو آپ کی مہربانی ہے جو آپ نے ایسا سوچا۔ مگر اس زبردستی کی شادی سے کیا فائدہ، آپ کے امیر گھر سے مجھے اپنی لڑکی زیادہ عزیز ہے۔ بڑے گھر میں وہی خوش نہ رہ سکی تو بڑا گھر کس کام کا۔

"تو یہ کہو کہ صاف انکار ہے۔"

بیگم اپنی تیوریوں پہ بل ڈال کر کھڑی ہو گئیں۔ اور جانے لگیں۔ ہاجرہ نے انھیں روک کر کہا۔

"انکار نہیں مجبوری ہے۔" اب آپ اپنے کو میری جگہ پہ رکھ کر سوچئے۔ اور فیصلہ کیجئے۔"

بیگم بغیر کچھ جواب دیئے ہوئے ہاجرہ کے گھر سے چلی گئیں۔
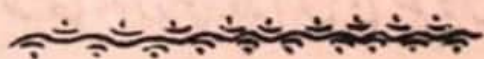
پندرھواں باب

شاہد نے زبردستی اپنے کو مختلف کاموں میں لگا لیا تھا۔ مگر کبھی کبھی جب خاتون کی یاد آتی تھی تو وہ بے چین ہو جایا کرتا تھا۔ اس کے ذہن میں پچھلی یادوں سے متعلق بہت سی کہانیاں ابھرتیں اور ختم ہو جاتیں، اسے اپنی محبت پوری، تفصیل کے ساتھ یاد تھی، سنیچر کی شام میں خاتون کا اس کے لئے انتظار وہ کس انداز سے تالاب کی طرف کھلنے والا دروازہ پکڑے کھڑی رہا کرتی تھی۔ اس کا پانوں کی گلوریاں بنا کر محبت سے پیش کرنا، تمام دن پیار و محبت کی باتیں کرنا

انھیں خیالوں میں کبھی کبھی یہ کھٹک بھی محسوس ہوتی کہ اب یہ تکلفات ارشد کے ساتھ ہو رہے ہوں گے۔ ارشد اس کا خیال خاتون کے دل سے نکال چکا ہوگا۔ بلقیس کا خط اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ جس میں خاتون نے صرف اپنا نام لکھا تھا۔ اور جو روز اس کی نظروں میں ..... مشکوک بنتا چلا گیا۔

اک دم سے اسے یہ خیال آیا کہ وہ کیوں نہ بلقیس کے خط کا جواب . . .
.. دے دے۔ ظاہر ہے کہ وہ خط خاتون بھی پڑھے گی۔ اور اسے معلوم ہو جائیگا کہ شاہد حالات سے بے خبر نہیں ہے۔ بعض باتیں محسوس کر لی جاتی ہیں۔ بشرطیکہ دل سے دل کو راہ ہو۔

رات بھیگ چکی تھی، سراج ہاؤس کے سامنے کی سڑک بالکل سنسان ہو کر خاموش ہو چکی تھی۔ تمام کمروں کی بتیاں گل تھیں۔ مگر شاہد اپنے .... انھیں خیالوں کی ادھیڑ بن میں جاگ رہا تھا۔ وہ اپنے بستر میں لیٹا ہوا کسی ایسی دنیا میں سیر کر رہا تھا۔ جو کبھی اس کے خیالوں میں بسا کرتی تھی۔ وہ دنیا جس کے بارے میں وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہ جانتا تھا۔ وہ اپنے بستر سے اٹھا اور پاس ہی رکھی ہوئی میز سے پیڈ لے کر لکھنے لگا۔

"پیاری بلقیس

گھر سے دور ایک غربت نصیب کا سلام قبول کرو۔
تمہیں خط لکھنے کا خیال کئی دفعہ ذہن میں آیا اور نکل گیا۔ آج بارہ بجے رات کے بعد تمہارے خط کا جواب لکھنے بیٹھا ہوں۔ خدا کرے میرا یہ ارادہ پورا ہو جائے۔ اور میں تمہارے خط کو پورا کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

میں نے تمہارے خط کو بار بار پڑھا ہے۔ مگر اس میں سے مجھے کسی اور کی بو نہیں آئی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے ہاتھ پکڑ کر اپنے نام کے ساتھ ایک اور نام لکھوا دیا ہو۔؟ لیکن

اگر یہ خود سے بھی لکھا گیا ہے۔ تو یہ بہت دنوں کی بات ہے۔
اب اگر تم نے میرے اس خط کا جواب دیا تو اس پر یہ نام نہ ہوگا۔
دنیا کو بدل جانے کے لئے اتنی سی بات بہت ہوتی ہے۔ میں نے
سب کچھ پا کر کھو دیا، اور اس عرصہ میں اپنے غم کو بھول.....
چکا ہوں۔

تم نے اپنی تحریر میں مجھے بہت کچھ یاد دلانے کی کوشش
کی ہے۔ میں تمہارا مشکور ہوں۔ مگر ساتھ ہی کہنے پر مجبور ہوں کہ
تم نے بہت دیر میں خبر لی۔ بمصداق۔

"بہت دیر کی مری جاں آتے آتے"

خدا اور اس کی خدائی جس کے ساتھ ہوگی، اب تو اسی
کا کام بنے گا، تم میرے حق میں صرف اتنی دعا کرو کہ میں اپنے اراؤں
میں کامیاب ہو جاؤں۔ اور میرا کام بھی بن جائے۔ فقط

دل برداشتہ

شاہد

شاہد نے اپنا خط کئی بار پڑھا، اور بالآخر اسے سپرد ڈاک کر دیا۔ اس خط
کو دیکھنے کے بعد خاتون جو کچھ اندازہ لگائے گی اس کے متعلق شاہد نے ابھی
سے سوچنا شروع کر دیا ـــــ اگر یہ حقیقت ہے کہ خاتون پر ارشد کا جادو نہیں
چڑھا تو وہ اس خط کو دیکھ کر ایک اثر قبول کرے گی۔ مگر ارشد کا جادو کیوں
نہ چڑھا ہوگا۔ اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ دنیا ہے۔ اور یہاں کوئی

کسی کا ہو کر نہیں رہتا، پھر خاتون صرف اس کے لئے کیسے بیٹھی رہ سکتی ہے؟

کئی دن تک شاہد اپنے خیالوں سے کھیلتا رہا۔ یہ تو خاتون کو یاد کرنے کا ایک بہانہ تھا۔ وہ دراصل اپنے خط میں خاتون ہی سے مخاطب تھا۔ اور اسی سے سب کچھ کہہ رہا تھا۔ لہذا اس پر ہونے والے اثر کو وہ معلوم بھی کرنا چاہتا تھا۔ پورا ایک ہفتہ خط کو لکھے گذر گیا اور اس شدّت میں بتدریج کمی ہوتی گئی۔ جس نے شاہد سے یہ شکایت بھرا خط لکھوایا تھا۔
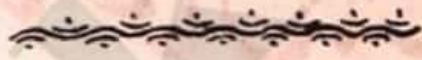
سولھواں باب

ماں کو بیٹی کی یہ تجویز کسی نہ کسی طرح منظور کرتے ہی بنی، کہ وہ شہر جا کر سراج ہاؤس میں اپنے ایک دور کے عزیز دار کے یہاں رہے۔

ہاجرہ بی بی کی ایک بہن سراج ہاؤس میں رہتی تھیں۔ اور خاتون انہی انھیں خالہ کے پاس جا کر رہنا چاہتی تھی۔ اس کی انھیں خالہ نے ہاجرہ بی بی کو کئی دفعہ کہا تھا کہ وہ خاتون کو شہر بھیج دیں۔ جو ان کے بڑھاپے میں ان کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے گی۔ اور آنکھیں کھول کر دنیا دیکھے گی ـــــــ ان کی یہ بھی تجویز تھی کہ وہ خاتون کو کسی دستکاری کے اسکول میں داخل کر دیں گی۔ اور اس طرح اس میں ہنر پیدا ہو جائے گا۔ انھوں نے ہاجرہ بی بی کو بہن سمجھ کر بارہا سمجھایا تھا۔ کہ آج کل کی دنیا میں ہر لڑکی کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اسے کوئی کام ایسا ضرور آنا چاہیئے کہ وہ محنت و مشقت سے اپنی . . . . . زندگی گذارے۔ انڈے اور پیروں پر جس طرح ہاجرہ بی بی نے اپنی زندگی گذاری، وہ

زندگی خاتون کو کبھی راس نہیں آسکتی۔ اور اس لئے اسے شہر میں رہ کر کوئی ہنر سیکھنا چاہیئے۔

یہ باتیں ہاجرہ بی بی کے ذہن میں موجود تھیں اور خالہ کی انھیں باتوں کا سہارا لے کر خاتون نے ماں کو آمادہ کیا۔ مگر ماں کی نظر میں اپنی تنہائی تھی۔ ہاجرہ بی بی بڑے غور سے لڑکی کی باتیں سنتی رہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ خاتون کا یہ اصرار کس وجہ سے ہے۔ ان کی گفتگو میں شاہد کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اس ذکر کی..... .. ضرورت بھی کیا تھی۔ جب دونوں کو پتہ تھا کہ یہ منصوبہ کس لئے بنایا جا رہا ہے۔

ماں نے کہا۔

"میں تمہیں منع نہیں کرتی۔ مگر پرائے گھر میں رہنا آسان نہیں ہے"

"مجھے معلوم ہے، مگر اب حالات کا تقاضا یہی ہے کہ میں شہر جا کر رہوں"

خاتون اپنی ضد پر اڑی رہی۔

ماں نے پھر اپنے اطمینان کے لئے پوچھا۔

"لوگ کیا کہیں گے، ساری بستی میں جو چرچے ہوں گے تو میں کس کس کی زبان روکوں گی"

آپ کیا چاہتی ہیں کہ بستی کے چرچوں کے ڈر سے میں اپنی زندگی.... ... خراب کر لوں۔

"میں یہ نہیں چاہتی، میں تمہاری ہر خوشی کو پورا کرنے کے لئے زندہ ہوں مگر انجام سوچ لو، اگر شہر جا کر بھی بات نہ بنی تو پھر دنیا میں تمہارا کہیں... ... ٹھکانہ نہیں رہے گا"

"میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے"۔

ماں اور بیٹی کے درمیان یہ باتیں صبح کے اندھیرے میں ہو رہی تھیں۔ اپنے اپنے بچھونوں پر دونوں کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ صبح کی نماز کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ اس لئے دونوں باتیں کرنے لگیں۔ یہ ہمیشہ ہوتا تھا۔ پھر اذان کے وقت تک گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ چنانچہ آج بھی یہی ہوا۔ ہاجرہ بی نے وضو کے لئے اٹھتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اور یہ کہتی ہوئی چلی گئیں۔

"تم جوان ہو، سمجھدار ہو، میرے بعد تمہیں تنہا زندگی گذارنا ہے۔ میں تمہیں منع نہیں کر سکتی"۔

بات ختم ہو گئی۔ دوسرے دن ماں نے لڑکی کو ایک سو روپے... نکال کر دیئے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ اتنا بڑا سرمایہ ہاجرہ بی بی کے پاس کہاں سے آگیا۔ مگر یہ ان کی ساری عمر کی کمائی تھی۔ کئی قسم کے نوٹ کئی کاغذوں کی تہہ میں لپٹے ہوئے ایک کپڑے میں بندھے ہوئے تھے اور جو شاید اسی مقصد کے لئے رکھے تھے۔ کہ اگر ہاجرہ بی بی کی آنکھ ایک دم سے بند ہو جائیں تو ان کا کفن دفن کا انتظام ہو سکے۔ اور خاتون کو اسوقت کوئی پریشانی نہ ہو۔ سو روپے کے ان نوٹوں کو ہاتھ میں لے کر خاتون کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے اپنی ماں پر بڑا ترس آیا یہ روپے ہاجرہ بی بی نے کتنے دنوں کی شب و روز کی مصیبتوں کے بعد جمع کئے تھے خاتون نے جب روپوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ تو دل کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔

سترھواں باب

بستی کا تالاب، کچی بازار، کلوار کی دوکان، آموں کے باغ، یہاں تک کہ وہ پیپل کا درخت جو اس بستی کی حد بندی کے لئے کھڑا تھا۔ خاتون کو رخصت کر دیا۔ اور اس کی سواری آگے بڑھ گئی۔ سراج نگر کی ایک ایک چیز کو چھوڑتے ہوئے اس کا دل رونے لگا۔ وہ اپنی بستی سے اسی طرح اٹھ رہی تھی۔ جیسے دنیا سے اٹھ رہی ہے۔ ان تمام گذرتی ہوئی ..... چیزوں کو اس نے بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اور اس کی سواری آگے بڑھتی رہی۔

خاتون کی اس اچانک روانگی کا کسی کو علم نہ تھا۔ صبح ہونے سے پہلے روانگی کا پروگرام بنا۔ اور دوسرے دن صبح ہونے سے پہلے وہ اپنے گھر سے رخصت ہو گئی۔ الوداع کہنے والی صرف ہاجرہ بی بی تھیں ..... انھیں اس بات کا بھی قلق تھا کہ ان کی لڑکی تنہا جا رہی تھی۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ خاتون کو کبھی اپنے پاس سے علیحدہ نہ کرتیں۔ مگر بعض صورتوں میں اختیارات

سلب ہو جاتے ہیں۔
لڑکی کے آگے ماں کی کچھ چلائے نہ چلی۔ اور انھیں خاتون کو رخصت کر دینا پڑا۔
سرِشام وہ گاڑی جو خاتون کو لے کر گئی تھی۔ بستی میں لوٹ آئی ــــ اور گاڑی والے نے ہاجرہ بی بی کو چپکے سے آ کر بتا دیا کہ بٹیا ساتھ خیریت کے ریل پر سوار ہو گئیں ــــ ہاجرہ بی بی کو اتنی ہی خیریت مطلوب تھی، باقی سب کچھ انھوں نے اس کی قسمت پہ چھوڑ رکھا تھا۔
کئی دن تک سراج نگر میں یہ کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ ہاجرہ بی بی کے گھر میں کیا انقلاب آ گیا ہے۔ یہ بات ایک راز کی صورت میں پرورش پاتی رہی۔ ارشد نے خاتون کی بے رخی دیکھ کر اس گھر میں آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ بلقیس کو بھی کوئی کام نہ تھا۔ اس لئے وہ بھی نہ آئی۔ ان دونوں کو اگر پتہ چل جاتا تو راز فاش ہو جاتا ــــ ہاجرہ بی بی کے گھر سے درختوں میں لٹکے ہوئے ٹین کی آواز ہمیشہ کی طرح سنائی دیتی ــ اور لوگ یہ سمجھتے کہ ان کے گھر میں سب کچھ ویسا ہی ہے۔
ہاجرہ بی بی نے گھر سے باہر قدم نکالنے کی ہمت نہ کی۔ ان سے اگر کوئی خاتون کے بارے میں پوچھ لیتا تو وہ کیا بتاتیں۔ وہ اکیلی گھر میں بیٹھی ہوئی خاتون کی جدائی میں تنکے چنا کرتی تھیں۔ اور اپنی اس بے بسی پہ رو دیا کرتی تھیں۔ وہ سارا دن مختلف کاموں میں اپنے آپ کو بہلا دیتیں۔ مگر جب رات آتی تو ان کی بیقراری دیکھنے کے قابل ہوا کرتی تھی ــــ وہ ساری رات کھٹکے کی نیند سوتی تھیں۔ اگر

کبھی آنکھ لگ جاتی تو انھیں خواب میں خاتون نظر آتی ۔ وہ آنکھ لگنا ان کے لئے بڑا غنیمت ہوتا ۔ اس لئے کہ اتنی دیر میں وہ اپنی لڑکی کو اچھی طرح دلار پیار کر لیتیں ۔ خاتون انھیں مختلف رنگوں میں نظر آتی ۔ ۔ کبھی خوش کبھی مغموم ، وہ اس کی حالت کا اندازہ لگا کر ایک اثر قبول کر لیا کرتی تھیں ۔ اور پھر وہی کیفیت ان پر تمام دن طاری رہتی ۔ اس واقعہ کے پورے چھ تھے دن خاتون کا خط ماں کے نام آگیا جو اسنے اپنی خالہ کے گھر پہونچتے ہی ماں کو لکھا تھا ۔ خط طویل نہ تھا ۔ جس کی عبارت یہ تھی ۔

"اماں ، میں ساتھ خیریت کے شہر پہونچ گئی ۔ خالہ اماں مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں ۔ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر کسی دستکاری کے اسکول میں داخل ہو جاؤں گی ۔ آپ میری طرف سے بالکل مطمئن ہو جائیں ۔

سراج ہاؤس بہت بڑی جگہ ہے ۔ اس لئے ابھی تک سب سے نہیں مل سکی ہوں ۔ یہاں ہفتوں کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوتی میں یہاں جس جس سے ملوں گی ۔ آپ کو اس کے بارے میں مطلع کرتی جاؤں گی ۔ آپ اپنے کام میں لگی رہیئے ۔ میں یہاں جس کام کے لئے آئی ہوں ۔ اس میں ۔ ۔ ۔ ۔ کوتاہی نہیں کروں گی ۔ فقط

آپ کی خادمہ

خاتون

ماں نے ٹو ٹو کر سارا خط پڑھ لیا ۔ اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی لڑکی جس مقصد کے لئے شہر گئی تھی ۔ اس میں وہ کامیاب ہے ۔ اب

اسے جلد ہی خاتون کے اس خط کا انتظار تھا۔ جس میں وہ یہ لکھے کہ شاہد سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اور اس کی شادی کا عہد و پیمان ہو گیا۔

اٹھارھواں باب

شاہد کی دنیا بدل چکی تھی۔ خاتون کی خالہ نے شاہد کو اپنے ۔۔۔ یہاں بلا بھیجا، مگر وہ نہ آیا۔ پھر کئی شب و روز انتظار میں گذر رہے۔ خاتون کو تعجب تھا کہ اس کا یہ عمل کس وجہ سے ہے۔ مگر کیا یہ اس کی محض ناراضگی تھی، ؟ یا اس کھچاؤ کے پیچھے کوئی چیز اور بھی ہے؟

بالآخر ایک دن خاتون رات میں شاہد کے کمرے میں تن تنہا گئی ۔۔۔
۔۔۔ شاہد کے کمرے کی جلتی ہوئی بتی خاتون کو اپنے یہاں سے نظر آجاتی تھی۔ سارا دن انتظار کرنے کے بعد جب اس نے دیکھا کہ شاہد کے کمرے کی بتی جلی۔ تو وہ اس کے پاس پہونچی۔ شاہد گھبرا گیا۔ اور اس نے خاتون کے سامنے اپنی نظریں نیچی کرلیں۔ خاتون برس پڑی اور اس نے جواب طلب کیا۔

تمہارے وہ وعدے بے بنیاد تھے۔ کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ جب تم میں آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ تو مجھ سے پیمان وفا کیوں باندھا تھا"

مجھے اپنے ہمراہ منزل پر بہت دور لاکر اب میرا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہو۔؟ اگر ایسا ہی تھا تو پہلے کہہ دیتے۔ میں تمہاری ہمسفر نہ بنتی۔

شاہد کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جواب دینے کی ساری طاقت کو سمیٹ کر اس نے بولنے کی ہمت کی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی خیال .... اس کی قوت گویائی کو سلب کر رہا ہے۔

خاتون نے پھر کہا۔

"مجھے جواب دو شاہد! آج تمہیں میرے روبرو اپنی زبان کھولنی .... پڑے گی۔ آج تمہاری زبان تمہارے دل کی ترجمانی کرے گی؛ محبت کا اقرار کرنے کے بعد تمہارا یہ تغافل میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ تم نے اپنے دل میں کیا ٹھانی ہے۔ کس چیز نے تم کو مجھ سے منحرف کر دیا"

"میں تم سے منحرف نہیں ہوں" شاہد نے بدقّت اپنے ہونٹ .... کھولے اقرار محبت کرنے کے بعد حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ ارمانوں کی دنیا میں طوفان آجاتا ہے۔ پھر جب تم نے بھی میری محبت کا جواب محبت سے دیا ہے۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری امنگوں اور ولولوں میں ایک طوفان آگیا۔ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے یہ طوفان کے دھارے بڑھتے بڑھتے الفت کے سمندر میں کمزور کناروں کو توڑ دیں گے۔ مگر وہ سب کچھ ایک خواب تھا محض ایک فریب جو میں نے تم سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے کھیلا تھا۔ تم یہی سمجھ کر مجھے بھول جاؤ کہ میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔ مجھے تمہارے ساتھ محبت نہ تھی"

خاتون بگڑ گئی، اس نے انہیں تیوروں سے کہا۔

"اتنی بڑی حقیقت کو میں بھول جاؤں، جسے دنیا نہیں بھلا سکتی۔ میرے لئے اب یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ میں تمہیں بھول جاؤں۔ کسی کو اگر کوئی سزا دی جاتی ہے تو اس کا قصور بتا کر۔ مگر تمہارا یہ اصرار کہ میں تمہیں بھول جاؤں۔ بغیر یہ معلوم کئے ہوئے کہ کیوں؟"

وجہ معلوم کر کے کیا کرو گی۔؟ شاہد نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

یہی کیا کم اندوہناک بات ہے کہ تم مجھے چھوڑ رہی ہو۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے۔ کہ دو ایک ساتھ بہتی ہوئی موجوں کو الگ کر دیا جائے۔ مگر وہ اس علیحدگی کے باوجود ایک رہتی ہیں۔

ان جملوں کی ادائیگی کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ شاہد انتہائی ضبط و تحمل سے کام لے رہا ہے۔ ایک عجیب قسم کے کرب میں مبتلا ہے۔ وہ ایک ساتھ دو غموں کو برداشت کر رہا تھا۔ خاتون کی مفارقت، اور اپنی بربادی۔ اس کی پھلتی پھولتی محبت کو۔۔۔ لوگوں نے جس بری طرح نیست و نابود کیا تھا۔ اس کے دلائل۔۔۔ موجود تھے۔ یہ درخت کاٹا۔۔۔ اس وقت گیا تھا۔ جب کہ اس میں پھل پھول لگنے والے تھے۔ خزاں کے آنے سے پہلے شاہد کو اپنے باغ محبت کی بربادی پر رونا آ گیا۔ مگر وہ مجبور اس لئے تھا کہ اس ظلم و ستم کی ذمہ دار ہاجرہ بی بی تھیں، اور شاہد اس راز کو فاش کر کے بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

خاتون اپنی بدحواسی کے عالم میں پھر بولی۔

"اگر تم کوئی معقول وجہ بیان نہیں کر سکتے ہو تو یہ اقرار کرو کہ تم نے

مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ تم اپنے مکر و فریب سے ایک لڑکی کی زندگی سے کھیلا کیے مگر یہ نہ سمجھے کہ اس طلسم کے ٹوٹنے کے بعد اس کا کیا حال ہوگا۔"

"میں نے کوئی مکر و فریب نہیں کیا، مکر و فریب کرنے والے لوگ نہ اپنی نظروں کو نیچا کرتے ہیں، نہ زبان بند رکھتے ہیں، تم سے جھوٹ بولنے کا بیشک قصور وار ہوں، اور مجھے اذیت بھی ہے کہ میں اپنے وعدے کو پورا نہ کرسکا۔"

"مگر مجبوری کیا ہے، ذرا میں بھی تو سن لوں، ابا میاں نے انکار کر دیا ہے؟"

"انھوں نے شرافت پر بھروسہ کیا ہے۔ انھیں تمہاری پاک دامنی پر یقین ہے۔ اگر انھوں نے منع کر دیا ہے۔ تو بھی ہم حکم عدولی نہیں کر سکتے۔"

"مگر یہ یقین آنے والی بات نہیں کہ ایسا ہوا ہو، میں نے ان کا منشا سمجھنے کے بعد تم سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔"

"سمجھنے میں غلطی بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"غلطی کا کوئی امکان مجھے نہیں آتا۔ تمہارے خیالات خود پلٹا کھا گئے ورنہ تمہارے رویے کی کوئی معقول وجہ تمہارے پاس ضرور ہوگی۔"

"میرے پاس ہے یہ اور بات ہے۔ کہ اس کا اظہار میری طاقت سے باہر ہے۔"

"دوسروں کی زندگی سے کھیلنے کی طاقت تمہارے پاس تھی۔ کسی کا سکون اور اطمینان چھیننے کے لئے تم زبردست بن گئے تھے۔ مگر اس کو مطمئن کرنے کی قوت تمہارے پاس نہیں ہے۔"

"میں نے اپنی خطاؤں کا اقرار تم سے پہلے ہی کر لیا تھا کہ میں ... تمہارے سامنے نگاہیں چار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا، اس لئے زبان کھولنا میرے لئے

بہت ہی مشکل ہے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ تم سے کہنا نہیں چاہتا۔"

خاتون یہ سن کر رات کے سناٹے میں پھر تحلیل ہو گئی۔ وہ جس طرح چھپے چوری اپنے یہاں سے نکلی تھی۔ اسی طرح پھر روپوش ہو گئی۔

فضا میں چند ٹھنڈی سانسیں اور آہیں باقی رہ گئیں۔ اور شاہد یہ دیکھتا رہ گیا۔ کہ ایک طرف خاتون تھی، دوسری طرف اس کی اپنی ..... شرافت اور انسانیت، اور وہ ان دونوں کو پس پشت ڈال کر خاتون پر کوئی قابو حاصل نہ کر سکا تھا۔
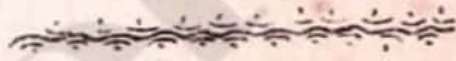
انیسواں باب

اس ملاقات کے بعد پھر کئی دن تک دونوں نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔ خاتون کو پھر دوبارہ شاہد کے کمرے میں جانے سے پس وپیش ہوا۔ وہ ضرورت سے زیادہ جھک کر بات کو بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اسے اپنی جگہ پر تعجب ضرور تھا کہ شاہد کا یہ طرزِ عمل کیوں ہے؟ وہ محبت جس میں بڑی پائیداری تھی، جس میں سچائی اور حقیقت تھی کیسے جھوٹی ہو سکتی ہے۔؟

"خاتون کے کئی دن اسی سوچ بچار میں گذر گئے۔ شاہد روز صبح نو بجے اپنا کمرہ بند کر کے دفتر چلا جاتا۔ اور ٹھیک ساڑھے چار بجے کام ختم کر کے آجاتا۔ خاتون اپنے یہاں سے یہ سب کچھ دیکھا کرتی۔"

یہ نری تو شاہد ہے جسے بغیر خاتون کے قرار نہ تھا۔ اور اب بھی یہ وہی شاہد ہے، جسے اب اس کی بالکل پرواہ نہیں۔ دماغ پر بہت زیادہ غور کرنے کے بعد بھی یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی۔

خالہ نے بھی خاتون کا یہ خاموش اضطراب دیکھا۔ اور اپنی زندگی کے بھرپور تجربے سے سب کچھ سمجھ گئی۔ اس کی سمجھ میں یہ بھی آگیا کہ خاتون کے آنے کا مقصد کیا ہے؟

خالہ کے کوئی اولاد نہ تھی، اس نے ہاجرہ بی بی سے بار بار کہا تھا کہ وہ خاتون کو اسے دیدیں اور ایک دیہات میں اس کی زندگی برباد نہ کریں —— مگر ہاجرہ بی بی کبھی اس پر تیار نہ ہوئیں۔ وہ کیسے تیار ہوتیں۔ خاتون ان کی تنہا اولاد تھی، مگر جب انھوں نے خاتون کو اپنی بہن کے سپرد کیا تھا تو وہ کسی اور کی تھی۔ وہ خود اپنے سے منحرف نظر آتی تھی۔ تو پھر خالہ اس پر ...... کس طرح بھروسہ کرتی ..

خالہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی؛

"بیٹی زندگی میں کچھ فرائض بھی ہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ تم تھوڑا بہت کام سیکھو، مگر تم ابھی تک اپنی ہی دنیا میں ہو۔"

خاتون چونک پڑی۔ اور پہلی دفعہ اسے یہ احساس ہوا کہ اپنی جس حالت کو وہ چھپانے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ خالہ پر عیاں ہو چکی ہے۔ اس نے غور سے خالہ کا چہرہ دیکھ کر نظریں نیچی کرلیں۔

خالہ کو اپنی بھانجی پر ترس آگیا۔ ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں خیال آیا کہ خاتون کا قصور (بھی) کیا ہے۔ اس عمر میں جو خاتون کی ہے "دل کی لگی" سب باتوں پر سبقت لے جاتی ہے۔ اس محبت کا سارا پس منظر خالہ کو معلوم نہ تھا۔ ورنہ وہ اس پر اور بھی ترس کھاتیں۔ انھیں قرائن سے صرف اتنا ہی پتہ چل سکا کہ خاتون شاہد سے محبت کرتی ہے۔ ظاہر ہے یہ محبت سراج نگر کی

فضا میں کبھی پیدا ہوئی ہو گی۔ اور جواب ناکام ہے۔ نگران کے لئے یہی غم کیا کم تھا کہ خاتون افسردہ اور پریشان تھی۔ اور شرم کی وجہ سے کوئی بات زبان پر نہ لا سکتی تھی۔

خالہ نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ اور باتوں کو دوسرا رخ دیکر کہنے لگیں۔

"محبت کا خیال انسانیت کی بقا کے لئے دنیا کو دیا گیا ہے۔ جب کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ دنیا سے محبت کرنے لگتا ہے۔ مگر یہ جرم اس وقت بنتی ہے جب اس میں خود غرضی شامل ہو۔ اور اپنے دل کی خاطر کسی ایک شخص کے لئے مخصوص ہو جائے ــــــ تمہیں اپنے سے بھی تو محبت کرنی چاہیئے۔ تمہارا ایک شریف خاندان ہے۔ غریب سہی مگر اس کی شرافت پہ تو کوئی بھی شک نہیں کر سکتا۔ تمہاری زندگی میں سہــــرے کے پھول کھلتے تو کتنا اچھا تھا۔ باجی نے مجھے لکھا تھا کہ تمہاری شادی ارشد سے ہو گی۔

میں نے دعا مانگی تھی کہ اگر ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہے۔ شاہد بھی میری نظر میں تھا۔ مگر مجھے معلوم تھا کہ شاہد اور ارشد میں کتنا فرق ہے۔ بات یہ ہے میری بچی! کہ شادی چند ذمہ داریوں کا نام ہے۔ صرف محبت ہی کا نام نہیں ہے۔ اگر کسی میں یہ دونوں باتیں ہوں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ محبت چند دنوں کا کھیل ہے۔ یہ مر جاتی ہے ــــــ مگر ذمہ داریاں اور اس کی روایت کبھی نہیں مرتی، شاہد کا کوئی گھر نہیں ہے۔ اور جس کا کوئی گھر نہ ہو اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ ارشد کے پاس سب کچھ ہے۔ بڑا گھر ہے، والدین،

زمین، دولت اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے دل میں تمہارے لئے محبت بھی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟"

خاتون بیچ سے اس لئے بول پڑی کہ خالہ بات کو طول نہ دیں، اور وہ انہیں جھٹلا کر اس قصہ کو ختم کر دے۔ مگر خالہ نے خاتون کو اس مداخلت پر کچھ اور ہی باتیں بتائیں۔ وہ کہنے لگیں۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ تمہارے نزدیک تو مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ تمہارے دل پر آج کل کیا گذر رہی ہے۔ مگر مجھے معلوم ہے۔ میری اور باجی کی خفیہ خط و کتابت ہوئی تھی۔ اور انھوں نے تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ لکھ دیا تھا۔ وہ میری بہن تھیں۔ ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا۔ میں نے شاہد کو ایک دفعہ اپنے یہاں بلا کر سمجھا دیا کہ وہ سراج نگر کا آنا جانا چھوڑ دے۔ ہم دونوں بہنوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ تمہاری شادی خاتون کے ساتھ نہیں ہو سکتی، بات اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے تمہارے گھر کے چکر لگانا چھوڑ دیئے۔"

خاتون نے جو الزام شاہد پر لگایا تھا وہ قصور خود اس کا نکل آیا۔ وہ بیتاب ہو کر چلائی۔

"خالہ! یہ کیا کیا آپ نے؟"

"میں نے بالکل ٹھیک کیا۔ اور اب بھی جو کچھ کروں گی وہ ٹھیک ہی ہوگا۔ اس لئے کہ تم جوان ہو۔ اور کسی سے ڈرتی نہیں ہو۔"

"مجھے اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کا بالکل اختیار ہے۔ میں نے

اماں سے بھی یہی کہا تھا۔ اور آپ سے بھی یہی کہہ رہی ہوں۔"

"تم نے ایک ہی بات ہم دونوں سے کہی۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ ہم دونوں میں کتنا فرق ہے۔ وہ ماں ہونے کی حیثیت سے دب گئیں۔ مگر میں خالہ ہوں اور تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کر سکتی۔ میرے لئے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سے دوستی کر کے میں اپنی بہن کی بری نہیں بن سکتی۔"

"تو کیا اماں کا اب بھی یہ اصرار ہے کہ ...."

خاتون نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ مارے شرم کے پوری بات اس کی زبان سے نہیں نکلی۔ وہ غصّہ سے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ مگر خالہ نے اس کی ادھوری بات کا جواب مکمل دے دیا۔

"ان کا اب بھی یہ اصرار ہے کہ تم دونوں کی شادی نہ ہو۔ تمہارے آنے کے بعد ان کا ایک اور خط آیا تھا۔ جسے میں نے تم سے چھپا ڈالا۔ اور اس میں وہی سب کچھ لکھا ہوا تھا۔

خاتون خاموش ہو گئی، اور سوچنے لگی۔ دنیا میں اس کا کوئی نہیں ہے۔ نہ ماں، نہ خالہ۔

بیسواں باب

سراج نگر میں آخر کار سب کو معلوم ہی ہو گیا کہ خاتون یہاں سے جا چکی ہے اس کی اس گمشدگی پر سب سے پہلے ارشد کی والدہ نے کان کھڑے کئے۔ اور پہلی فرصت میں اپنے صاحبزادہ کو بلا کر کہا۔

"جسے تم چاہتے تھے وہ تو بھاگ گئی"

یہ خبر ارشد کی والدہ کے گھر کی ماما لے کر آئی تھی۔ پھر اسی نے ساری بستی میں یہ خبر پھیلا دی۔ اس نے سارے گھروں کا چکر لگایا۔ اور جو بھی اسے ملا، اس نے اس سے یہ بات بتائی۔ ارشد کی والدہ اس خیال سے خوش ہوئیں کہ چلو بستی پاک ہو گئی۔ اور اس پاکیزگی کا احساس انہیں اس لئے اور بھی ہوا کہ ان کے لڑکے کے سر سے یہ بلا جا چکی تھی۔ مگر ارشد نے ماں کی بات کو کسی اور انداز سے سنا، وہ بولا،

"آپ سے کسی نے غلط کہا ہے!"

"گلشن گواہ ہے۔ یہ ابھی ہاجرہ کے گھر سے آ رہی ہے۔"

اور گلشن نے فوراً آکر گواہی دی۔

"جی ہاں، خاتون بھاگ گئی۔ ماں کا بیان تو یہ ہے کہ وہ اپنی خالہ کے پاس شہر گئی ہے۔ مگر ماں غریب اس کے سوا اور کہتی بھی کیا۔ لڑکی کی آبرو بچانے کے لئے وہ ایسا کہہ رہی ہیں۔ پھر میں دوڑی ہوئی بلقیس کے پاس گئی۔ کہ خاتون کی سہیلی سے راز لوں۔ مگر بلقیس بٹیا نے بھی یہی کہا۔

"کیا کہا؟" ارشد نے غصّہ سے گھور کر گلشن کی طرف دیکھا۔

"یہی کہ خاتون اپنی خالہ کے پاس شہر گئی ہے"

گلشن ارشد کی تیوریاں دیکھ کر ڈر گئی۔ جس میں خاتون کی محبت اب تک جھانک رہی تھی۔ ارشد بے قابو ہو کر پھر چلایا:

"میں بلقیس سے جا کر پوچھوں؟"

قبل اس کے کہ گلشن کچھ جواب دیتی، ماں خود بول پڑیں۔

"یقین نہیں ہے تو خاتون کے گھر چلے جاؤ۔ مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ اتنی خوبصورت لڑکی اتنے دنوں گھر میں کیسے بیٹھ سکتی ہے۔ ماں نے سختی کی ہوگی اس لئے وہ شاہد کے پاس شہر چلی گئی۔ اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے۔"

بات ارشد کی بھی سمجھ میں آرہی تھی۔ مگر وہ اپنے جذبات سے مجبور تھا۔ اتنے دنوں خاتون سے الگ رہ کر اس نے تنہائی میں خاتون کا تصور اپنے پاس رکھا تھا۔ اور اس سے بھی محبت کرنے لگا تھا۔ خاتون کی .... خوب صورتی کسی کے لئے بھی بھلائی جانے والی چیز نہ تھی۔ پھر ارشد اسے کس طرح بھول جاتا—— یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ارشد اور شاہد .... میں کون اسے زیادہ چاہتا ہے۔

مگر یہ سب کو معلوم تھا کہ خاتون شاہد کو چاہتی ہے۔ اور اسی ایک بات کا سہارا لے کر اس نے ارشد کو پھر سمجھایا۔

عورت اپنے دل کی ملکہ ہوتی ہے۔ وہ شاہد کو چاہتی ہے۔ اس لئے اسکے پاس چلی گئی۔ تم اپنی جان کیوں ہلکان کر رہے ہو۔

اگر شاہد اس وقت اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے مار ڈالتا۔ ارشد کے دماغ میں رقابت کا پورا جذبہ ابھر آیا۔ دنیا جو کچھ کہتی تھی اس کے خلاف ارشد کو ایک یہ یقین تھا کہ خاتون شاہد کو نہیں اسے چاہتی ہے ـــــ بظاہر اس کا یہ خیال اس کا پاگل پن کہا جا سکتا ہے۔ مگر محبت میں ہوتا ہی ہے۔ اس یقین نے ارشد کے دل سے خاتون کی محبّت کو نہیں نکلنے دیا۔ وہ دیوانہ وار اپنے کمرے سے نکلا۔ اور ماں یہ سمجھیں کہ ان کا لڑکا اپنے غم و غصہ کے جوش میں ساری دنیا کو برباد کر کے پھینک دے گا ـــــ وہ سیدھا باجرہ بی بی کے پاس گیا۔ نہ دعا نہ سلام، بلکہ جاتے ہی وہ خاتون کی والدہ سے اسی طرح مخاطب ہوا۔ جیسے ان سے اپنی کوئی چیز.... مانگ رہا ہو۔

"خاتون کہاں ہے؟"

ارشد کے اس طرح پوچھنے پر انھیں اپنی لڑکی پر پیار آ گیا۔ وہ ارشد سے بالکل نہیں ڈریں۔ بلکہ وہ یہ سوچنے لگیں کہ خاتون کی تمام صفتوں میں یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ کسی کو اپنے لئے اسی طرح پاگل بنا دے۔ انھوں نے برا ماننے کے بجائے پیار سے ارشد کی طرف دیکھا۔ اور مسکرائیں۔

"بیٹھ جاؤ! میں ابھی سب کچھ بتاتی ہوں۔ خاتون کو جہاں تم سمجھ رہے ہو،

وہ وہیں موجود ہے۔"

"وہ شہر نہیں گئی؟"

"وہ شہر گئی ہے۔ مگر شہر جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مر گئی، وہ زندہ ہے۔ زندگی کس طرح کروٹیں بدلتی ہے۔ حالات کو کس طرح ڈھالتی ہے۔ یہ تمہیں نہیں معلوم۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اطمینان سے بیٹھ جاؤ تو میں تمہیں سمجھا دوں۔ ہاجرہ بی بی ارشد کی طرف دیکھ کر بدستور ہنستی رہیں۔ اس وقت ارشد جس طرح کچے دھاگے میں بندھ کر آیا تھا وہ ان کے لئے بڑی پرمسرت بات تھی۔

"آپ نے اسے جانے کیوں دیا۔؟" ارشد پھر بے تاب ہو کر چلا پڑا۔

"اس لئے کہ اس کا دماغ راہِ راست پر آجائے۔"

"مگر وہ تو شاہد کے پاس ہے۔!"

"کون کہتا ہے۔؟ سراج ہاؤس تنہا شاہد کا گھر نہیں ہے۔ وہاں خاتون کی خالہ بھی رہتی ہیں۔ اب وہ انھیں کے پاس ہے۔"

"جھوٹ، دھوکا!" ارشد پھر چلا یا۔

"ذرا ٹھنڈے ہو جاؤ اور غصہ تھوک دو، اس طرح تو تم کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکتے۔

ارشد خاموشی سے بیروں کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ ہاجرہ بی بی نے اپنا پاندان کھولا۔ اور اس کے لئے پان بنانے لگیں۔

خاتون تم سے بھاگ کر جائے گی کہاں، وہ میرے گھر کی گائے بکری ہوتی تو فوراً رسّی کھول کر اسے تمہارے سپرد کر دیتی۔ مگر وہ تو ایک ہوشیار لڑکی ہے۔ میں نے ماں بن کر اسے سمجھایا۔ مگر وہ یہی کہتی رہی کہ اس کے دل پہ بجائے میرے اسی کا قبضہ ہے۔ وہ نہیں مانی تو میں نے کہا۔ چولہے میں جاؤ۔ مگر اب میری بہن نے لکھا ہے۔ کہ حالات دھیرے دھیرے ٹھیک ہو رہے ہیں۔ اور خاتون راہ راست پر آ رہی ہے۔

ہاجرہ بی بی نے پاندان کی کلھیا سے ایک پرزہ نکال کر ارشد کے سامنے پھینک دیا۔ جس میں خاتون کی خالہ نے خاتون اور شاہد کے بارے میں سب کچھ لکھا تھا۔ ارشد نے جلدی جلدی سارا خط پڑھا۔ اور جلدی جلدی وہ خطرا بھی اس کے چہرے سے دور ہوتا گیا۔ جو وہ لے کر آیا تھا۔ خاتون کی خالہ کا خط اور ارشد کی بے چینی نے ایک ساتھ دم توڑ دیا۔ ارشد ہنس رہا تھا۔ ہاجرہ بی بی اسے خوش ہو کر پان دے رہی تھیں۔
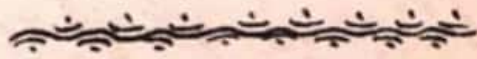
اکیسواں باب

خاتون کی خالہ نے بیٹھے بیٹھے اپنی بہن کو نیا خط لکھنا شروع کر دیا۔

"باجی! میرے پچھلے دو خط آپ کو مل چکے ہوں گے، اب یہ تیسرا خط آپ کو لکھ رہی ہوں۔ حالات بن کر پھر بگڑ گئے۔ میں کیا کروں باجی! آپ کی قسمت ہی خراب ہے، خاتون کو میں نے ڈرایا۔ دھمکایا، سمجھایا۔ مگر وہ اپنی بات پر اڑ گئی ہے۔ ہمارے گھر میں خاتون اور شاہد کی ایک داستان بن گئی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

آپ کے کہنے کے مطابق میں نے اچھی طرح شاہد کو سمجھا دیا ہے کہ وہ دھوکا نہ کھائے۔ ورنہ پھر اسے خود ہی پچھتانا پڑے گا۔ اور یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ میں نے اس سے کہا۔

تمہاری تنہا ذات ہمارے پورے خاندان کا مقابلہ

کس طرح کر سکتی ہے۔ خاتون کی مرضی کو ہم کچل دیں گے۔ وہ جذباتی طور پر جو کچھ سوچ رہی ہے۔ اس کی دنیا میں کوئی حقیقت نہیں وہ میری بات مان گیا۔

یہی بات میں نے خاتون کو سمجھائی اور اس سے سوال و جواب ہوئے۔

میں نے کہا "تم کو تمہاری مرضی پر نہیں چلنے دیا جائے گا"

وہ بولی۔

"مجھے میری مرضی کے خلاف کوئی نہیں چلا سکتا۔ نہ اماں نہ آپ، میں اپنی سمجھ اور عقل پر بھروسہ نہ کروں، یہ کیسے ہو سکتا ہے"

میں نے کہا۔

"عقل اور سمجھ سے زیادہ تجربہ ہوتا ہے۔ جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ اس لئے ہم تمہیں اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں"

وہ بولی!

"آپ کا تجربہ پرانا ہے اور وہ غلط ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے سماج نگر کے گھروں کی بے شمار مثالیں دیں۔ جن کی شادیاں زبردستی ہوتی تھیں اور ان کا انجام حسرت ناک نکلا۔ کلثوم کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ جس نے زہر کھا لیا۔ اور اگر مجھے زیادہ پریشان کیا گیا تو میں بھی یہی کر دوں گی"

"باجی، خاتون کی اس دھمکی سے میں ڈری مگر میں نے کیا وہی جس کا میں آپ سے وعدہ کر چکی ہوں۔ اس نے پھر شاہد سے باتیں کرنا چاہی تھیں۔ ان دونوں کی پہلی ملاقات کی تفصیل میں آپ کو لکھ چکی ہوں۔ دوسری ملاقات ہونے جارہی تھی کہ میں نے روک دیا۔ اور میرے اس روکنے پر آپ کی صاحبزادی نے وہی کیا۔ جو کلثوم کر چکی تھیں — انھوں نے رات کو اپنی چوڑیاں پیس کر کھا لیں۔ آدھی رات کے قریب خاتون کی حالت غیر ہوئی۔ میں اکیلی ہوں میرے گھر میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ڈاکٹر کو بلاتا۔ مجبور ہو کر میں شاہد کے کمرے میں گئی — اور میں نے کہا۔

"تمہاری خاتون اس دنیا سے جا رہی ہے"

پہلے تو اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی۔ پھر اس نے اپنے ہوش و حواس یکجا کیے اور بستر سے فوراً اٹھ بیٹھا۔ میں نے اپنی سختی کی ساری داستان اسے سنائی۔ اس کے دل پر ایک دھکا لگا، اور وہ یہ کہتا ہوا اپنے بستر سے اٹھا۔

"آپ دونوں بہنیں کسی کی زندگی سے کھیل رہی ہیں"

اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاہد ٹھیک ہی کہتا ہے۔ ہمیں کسی کی زندگی کے ساتھ اس طرح نہیں کھیلنا چاہیئے، غرض کہ وہ اٹھا۔ اس نے اپنے دفتر کے صاحب کو فون کیا اور ذرا دیر میں ان کی گاڑی آ گئی۔ خاتون اسپتال گئی۔ اور

اب اللہ کا شکر ہے کہ وہ بالکل اچھی ہے۔ شاہد رات دن اکی تیمارداری میں مصروف ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو خاتون کو دوبارہ زندگی دینے والا خدا کے بعد شاہد ہی ہے۔ اب بتلایئے کہ میں کیا کروں۔

میں اسے دیکھنے روز اسپتال جاتی ہوں، رات میں رہنے کا حکم نہیں۔ اس لئے لوٹ آتی ہوں۔ جس دن سے یہ واقعہ ہوا ہے۔ میں نے خاتون سے کچھ نہیں کہا۔ اگر کچھ کہوں تو وہ یہی کہے گی "جس نے مجھے زندگی دی ہے وہی میری زندگی کا مالک ہے۔"

جو صورت حال تھی وہ میں نے آپ کو لکھ دی۔ آپ فوراً یہاں آیئے۔ اس لئے کہ حالات اب میرے قابو سے باہر ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اتنے دنوں کے میل جول میں دونوں نے کیا کیا وعدے وعید کئے۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ رشتہ جسے ہم دونوں نے توڑنا چاہا تھا اب اور زیادہ مضبوط ہو گیا ہوگا۔

آپ اپنا گھر کسی کو دیدیں۔ اور اپنی مرغیاں بیچ ڈالیں اور یہاں چلی آئیں۔ یوں بھی اگر خاتون کی شادی شاہد سے ہو گئی تو ارشد آپ کو سراج نگر میں رہنے نہ دیں گے۔ آپ کی عزت اور آپ کے گھر کا رکھ رکھاؤ خاتون کی وجہ سے تھا۔ وہ اب نہیں ہے۔ اس لئے آپ بھی اب وہاں نہ رہیئے۔

میری سمجھ میں تو اب یہی آتا ہے کہ آپ یہاں آکر ہنسی خوشی خاتون کی شادی کر دیں مصلحت اسی میں ہے۔ ہم سے جو کچھ ہو سکتا تھا ہم نے کیا۔ لیکن دونوں اپنی قسمت ایک ساتھ لکھوا کر لائے ہیں۔

اگر آپ اس سے خوش ہو جائیں تو بات اب بھی بن سکتی ہے۔

فقط۔

آپ کی چھوٹی بہن

طاہرہ

خاتون کی خالہ نے جلدی جلدی خط لکھ کر ڈاک میں ڈلوا دیا۔ اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئیں۔ اب انھیں یہ انتظار تھا کہ دیکھیں حالات کس طرف کروٹ لیتے ہیں۔

بائیسواں باب

ڈاکیہ ساری بستی میں خط بانٹتا ہوا آیا اور ہاجرہ بی بی کے بڑو تھے میں ان کا خط ڈال کر چلا گیا۔ ایک مرغی وہ خط اپنی چونچ میں دبا کر بھاگی۔ اور ہاجرہ بی بی نے وہ خط اس سے چھین لیا۔ خط لمبا تھا ـــــ اس لئے انھیں پڑھنے میں زیادہ دیر لگی۔ جس وقت وہ خط پڑھ رہی تھیں ان کے چہرے پہ ایک رنگ آرہا تھا ایک جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دم سے بالکل سفید پڑ گئیں۔

خاتون خدا کے گھر سے پلٹی تھی۔ یہ پڑھ کر انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر اسی وقت سے ان کے دل میں وحشت سما گئی ـــــ اب وہ اپنی لڑکی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھیں۔ یہ بات وہ بستی میں کسی سے بتانا نہ چاہتی تھیں کہ خاتون نے کیا کیا۔ خاتون کی محبّت کے چرچے ساری بستی میں عام تھے۔ یوں ہی کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی پھر وہ یہ کس منہ سے کہتیں کہ صاحبزادی نے ایک اور نیا گل کھلایا ہے۔

یہ خط انھیں تیسرے پہر ملا تھا۔ اور وہ ساری رات اپنے خیالوں سے کہتی رہیں۔ بہن کی یہ تجویز کہ وہ اپنا سب کچھ بیچ کر شہر آجائیں۔ انھیں بھی مناسب معلوم ہوئی۔ چنانچہ وہ دن نکلتے ہی محی الدین دوکاندار کے پاس پہنچیں۔ جو بستی میں ہی چیزوں کو رہن رکھ کر شریفوں کی ضرورتیں پوری کر دیا کرتا تھا۔

آج تک ہاجرہ بی بی ضرورت مند بن کر کسی کے پاس نہیں گئی تھیں۔ اس لئے محی الدین کو ان کی آمد پر تعجب ہوا۔ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ ہاجرہ بی بی بھی کسی ضرورت سے ان کے پاس آسکتی ہیں۔ وہ تو محی الدین کی دوکان پر کوئی سودا خریدنے بھی نہ آتی تھیں۔ ان پر تمام مصیبتیں ٹوٹیں مگر وہ اپنے گھر کی دنیا سے باہر نہیں نکلیں، ان کی ضرورتیں بھی محدود رہتیں۔ اور تھوڑا بہت سودا جس کی انھیں ہر چند ضرورت ہوتی تھی پڑدس کے کسی آدمی سے منگا لیا کرتیں۔ مثلاً ان کی دیوار کے پیچھے میکو درزی اپنی مشین لے کر بیٹھ جاتا تھا۔ اور سلائی کیا کرتا تھا۔ مگر ہاجرہ بی بی نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ اور اس سے اپنے چھوٹے موٹے کام لیتی رہیں۔ آج وہ زندگی میں تیسری یا چوتھی بار محی الدین کی دوکان پر آئی تھیں۔ پہلی مرتبہ اپنے مرحوم شوہر کی دوا کا نسخہ بندھانے۔ دوسری بار خاتون کی علالت کے سلسلہ میں اپنا کوئی زیور رہن رکھانے۔ تیسری بار اسے چھڑانے، اور چوتھی بار یہیں آج وہ اپنا سب کچھ دینے کے لئے آئی تھیں۔ اپنے بیر، اپنا گھر، اپنی مرغیاں اور اپنی آن بان۔

محی الدین نے جب ان سے آنے کی وجہ پوچھی تو پہلے وہ رو دیں پھر بڑی مشکل سے ان کی زبان سے نکلا کہ خاتون شہر میں بیمار پڑ گئی ہے۔ میں اس کے

پاس جا رہی ہوں۔ اس لئے تمہارے پاس مجھے آنا پڑا۔

محی الدین سب کچھ سمجھ گیا۔ اور کاروباری انداز میں بولا۔

"بتایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"

خدمت تو میں کر دوں گی۔ تم نے ایک دفعہ کہا تھا کہ تمہیں میرا مکان گودام کے لئے چاہیئے۔ اس وقت میں نے انکار کیا تھا۔ بلکہ میں . . . . ناراض ہوئی تھی کہ تم نے کیا سمجھ کر مجھ سے یہ بات کہی۔ شریفوں کے گھر اگر گودام بننے لگے تو پھر اس دنیا کا کیا ہو گا۔ ہ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ دنیا کے کسی حشر کو میرے گھر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں بھول گئی تھی کہ بڑے بول کا سر نیچا ہو کر، فلک بوس عمارتوں کو ایک پل میں گھوڑوں کا اصطبل بھی بنا دیتا ہے ——— تکبّر کے شیش محل، کھنڈر کے ویران سانچوں میں ڈھل کر، اپنی بلندی اور پستی کا سبق آموز مرتبہ حاصل کرتے ہیں ——— چہ جائیکہ میرا جھونپڑا، ——— !

چھوٹے منہ سے بڑی بات۔ نہ جانے کس خیال میں نکل کر اللہ کو بری لگ گئی۔ جو یہ روز بد آیا۔ کہ میں خود تمہارے پاس وہی سوال لے کر آئی ہوں۔ جس کو تمہارے منہ سن کر ——— خدا کی قدرت کا مذاق اڑایا تھا ——— اس ناپائیدار چیز کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے آنکھ بدل کر بات کی تھی۔ جس کو زمانے کی ایک ہلکی سی جنبش کے بعد سنبھال کر رکھنا ——— میری بساط سے باہر ہو گیا تھا ——— میں یہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ اب میں وہ گھر تمہیں دے سکتی ہوں . . . . . .

اب تو میں نے اپنا گودام بنوا لیا ہے۔

ایک اور سہی۔

میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ جس کے لئے دو گوداموں کی ضرورت ہو۔ آپ کو روپیہ کتنا چاہیئے۔ دس، بیس، پچاس۔ جو کہیں دے دوں۔ گھر اپنا اپنے ہی پاس رکھیئے۔

محی الدین نے یہ تو معلوم ہی کر لیا تھا کہ ہاجرہ بی بی کے سفر کی مدّت کیا ہے۔ اور کیا پتہ کہ اس مدّت میں وہ واپس ہوں یا نہ ہوں۔ ہاجرہ بی بی کے پیچھے بھی کوئی نہ تھا۔ اس لئے اس نے یہی سوچا کہ تھوڑے سے روپے دیکر کام نکال لیا جائے۔

ہاجرہ بی بی بولیں۔

مجھے ضرورت دس بیس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ مگر میں یہ مکان کس کیلئے چھوڑ جاؤں۔

لوٹنے کا ارادہ نہیں ہے؟

نہیں!

کیوں؟

خاتون اب شہر ہی میں اپنی خالہ کے یہاں رہیں گی۔ میں بھی اپنی بہن کے یہاں جا رہی ہوں۔

ہمیشہ کے لئے؟

ہاں!

کچھ دنوں رہ کر لوٹ آیئے گا۔

میری بہن نے مجھے بلایا ہے۔ اور یہی لکھا ہے کہ میں ہمیشہ کیلئے چلی آؤں۔

مگر بی بی، اپنا مکان کوئی اس طرح نہیں چھوڑا کرتا۔
چھوڑ دیتا ہے۔
آپ کے بیر، آپ کی مرغیاں، آپ کا اور سامان۔؟
میں تمہارے پاس اس کا سودا کرنے آئی ہوں۔ بولو! کیا دام لگاتے ہو؟
میں نے تو کہا، جو ضرورت ہو لے جائیے۔ مجھے آپ کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کی مصیبت سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا۔ بلکہ مجھے تو یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ــــ مکان پر آپ کو روپیہ دوں۔ جب کہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ بیوہ ہیں۔ جس کی مدد کرنا انسانیت کا تقاضہ ہے۔ اور پھر دس بیس روپے کی ایسی بات ہی کیا ہے۔ ملیں گے، مل جائیں گے ــــ نہیں تو جیسے آپنے خرچ کئے، ویسے میں نے۔ لیکن ــــ آپ کا خیال یہاں سے جانے کا ہے۔
پھر کیا چاہتے ہو؟
آپ کی مدد کرنا۔ میں نے آپ کے بیر کھائے ہیں، آپ کی مرغیوں کے انڈے کھائے ہیں۔ آپ کے اتنا بھی کام نہیں آسکتا۔؟
ہاجرہ بی بی کو محی الدین کی باتوں پر یقین آگیا۔
"اچھا ایسا کرو!" محی الدین سے ہاجرہ بی بی کہنے لگیں۔ تم مجھے بیس روپے قرض دیدو۔ اور میرے مکان کی دیکھ بھال اپنے ذمہ لے لو۔ اچھا ہے اگر میں اپنے باپ دادا کی جگہ کا سودا نہ کروں۔ مگر یہ وعدہ کرو کہ میرے درخت ہرے بھرے رہیں گے۔ اور میری مرغیاں زندہ رہیں گی۔
محی الدین ہنسا اور ہنس کر خاموش ہو گیا۔

میں وعدہ کرتا ہوں ـــــ مگر ایک وعدہ آپ بھی کیجئے۔

وہ کیا؟

آپ کا کوئی وارث آپ کے جانے کے بعد کھڑا ہو تو آپ میری مدد کریں گی!

منظور! مگر میرا وارث کون ہے جو کھڑا ہوگا۔ میں تمہیں پکے "کاغذ پر لکھ دوں گی۔ کہ میں نے اپنا مکان، اپنے درخت، اپنی مرغیاں، محی الدین خاں دوکاندار کو دیدیں۔ اور ان پر کسی دوسرے کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔

جو کام سینکڑوں ہزاروں میں بنتا۔ وہ محی الدین نے بیس روپوں میں بنا لیا۔ ہاجرہ بی بی کتنی معصوم تھیں۔ مگر ان کی یہی معصومیت اس وقت کہاں تھی جب کہ شاہد کے مقابلہ میں انھوں نے ارشد کو ترجیح دی اور جس کی وجہ سے خاتون کا یہ حال ہوا۔ یہ سودا تو انھیں بہر حال مہنگا پڑا۔

لیکن ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ ایک طرف خاتون کا خیال دوسری طرف محی الدین کی عیارانہ باتیں۔ جن میں ہمدردی کی نمایاں جھلک نے، ان کے دل کو ماہر طبیب کی طرح تسلی دے کر ایک نئی روح پھونک دی۔ اور وہ دنیا کی پرفریب چالوں کے ان ... شکنجوں میں خود ہی پھنس گئیں۔ جن سے بچ بچ کر زندگی کا ایک اہم حصہ گذار دیا تھا۔ لیکن مجبور انسان سب کے لئے کھلونا ہوتا ہے۔

تئیسواں باب

شاہد خاتون کی تیمار داری میں ہمہ تن مصروف تھا۔ دفتر سے اس نے بھی رخصت لے لی ہے۔ اور ہر وقت اسپتال میں ہی رہتا تھا۔ خاتون دھیرے دھیرے رو بہ صحت ہو رہی تھی۔

شاہد کی موجودگی بجائے خود خاتون کے لئے دوا تھی۔ وہ ایک ایسے مرض سے اچھی ہو رہی تھی جس کا علاج بجز شاہد کے اور کسی کے پاس نہ تھا۔

دن گذرتے گئے۔ اور خاتون تندرست ہوتی گئی۔ شاہد کہا کرتا تھا۔ خاتون! میں نے تمہیں کھو کر پایا ہے۔ تم اگر اس دنیا میں نہ رہتیں تو میرا بھی کہیں ٹھکانہ نہ تھا۔

اسپتال میں ملنے کے مقررہ اوقات کے علاوہ وہاں کی نرسوں نے از راہ کرم شاہد کو ہر وقت اسپتال میں رہنے کی اجازت دیدی تھی۔ جب انھیں ان دونوں کے رومان کا حال معلوم ہوا تو وہ محبت کے اس خبط کی وجہ سے اسطرح

دلچسپی لینے لگیں۔ جیسے یہ ان کا خود کا قصہ تھا۔ یہ اجازت اسپتال کے اصولوں کے خلاف تھی۔ مگر خاتون سے بے انتہا ہمدردی ہونے کی وجہ سے سب نے یہی فیصلہ کیا کہ شاہد ہر وقت .... خاتون کے پاس رہے گا۔ جو لڑکی اپنے عاشق کے لئے جان دینے پر تیار ہو جائے۔ اس کے لئے ہر عورت سب کچھ کر سکتی ہے۔ خاتون نے اپنے عمل سے محبت کے وقار کو بلند کر دیا تھا۔

شام ڈھل چکی تھی۔ اور اسپتال کے تمام وارڈوں کی بتیاں روشن ہو چکی تھیں۔ مریضوں کے عزیز و اقارب ملاقات کا وقت گذار کر جا چکے تھے مگر شاہد ابھی تک بیٹھا ہوا خاتون کے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کر رہا تھا۔ اس نے پھر وہی جملہ دہرایا۔

میں نے تمہیں کھو کر پایا ہے۔

خاتون نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور تھوڑا سا مسکرائی صحت کے باوجود ضعف کی وجہ سے وہ ابھی پوری طرح بحال نہ ہوئی تھی۔ اور شاہد کی باتوں کا پوری طرح جواب نہ دے پاتی تھی۔ پھر بھی اس نے کہا۔

اب پھر نہ کہہ دینا۔

شاہد محبت سے اور زیادہ جھک گیا۔ اور وفور جوش میں اس نے خاتون کی پیشانی کو چوم لیا۔

تم مجھ سے خفا تھیں۔ مگر تم دنیا سے ناراض ہو کر کیوں جا رہی تھیں؟

تمہارے بغیر میں اس دنیا میں رہ کر کیا کرتی۔

تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ میں تمہیں بھول گیا ہوں۔

نہیں، یہ یقین مجھے کبھی نہیں ہوا۔
جس دن تم پہلی دفعہ میرے کمرے میں آئی ہو۔میں نے تم سے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے بھول جاؤ۔
تمہاری زبان یہی کہہ رہی تھی۔مگر میں نے تمہارے دل کی آواز سن لی تھی۔ جو زمانہ کی شکایت کر رہا تھا۔تم مجھے کیسے بھول سکتے تھے جب کہ وہ گلیاں جن پہ سائیکل چلاتے تھے اب تک اس محبت کی شاہد ہیں - یہ سچ ہے کہ وہ گلیاں ہمیشہ کے لئے ہم سے چھوٹ گئیں۔
تم بالکل اچھی ہو جاؤ تو ہم دونوں سراج نگر پھر چلیں گے۔وہ میرا وطن ہے۔
خاتون کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔اپنے وطن کی یاد، اسے پوری شدت سے آئی۔جہاں وہ اتنی بڑی ہوئی تھی۔جہاں کے گلی اور گلیوں سے وہ واقف تھی۔جہاں یہ مشہور تھا کہ خاتون بھاگ گئی۔خاتون نے شاہد کو بتایا کہ۔
سراج نگر میں میری کیسی عزیز سہیلی ملقیس پڑی ہے۔جو ہر وقت میرے دکھ درد میں شریک رہتی تھی۔میں جب سے یہاں آئی ہوں میں نے اسے کوئی خط بھی نہیں لکھا۔کیسی پیاری زمین تھی سراج نگر کی۔جہاں پھول تھے اور کانٹے بھی۔وطن کی یہی ایک خصوصیت ہے کہ اسے اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ پسند کیا جاتا ہے۔مجھے تمہارا شہر بالکل اچھا نہیں لگتا۔
شاہد ہنسا اور خاتون کو چھیڑنے کے لئے کہنے لگا۔
اس لئے کہ یہاں ارشد نہیں ہے۔؟
ارشد، ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاتون نے یہ نام اپنی زبان سے لیا

اور خاموش ہو گئی۔

کیا ہوا۔ ارشد کی یاد آ گئی۔

ہاں! مجھے سراج نگر کے چپہ چپہ کی یاد آ رہی ہے۔ وہاں کے لوگوں میں کیسا خلوص تھا۔ چاہے وہ اچھے ہوں یا برے۔ مگر ان میں خلوص کی کمی نہ تھی۔

—— مجھے معلوم ہے کہ میری خالہ نے جو کچھ کہ میرے ساتھ کیا۔

وہ ارشد کی دوست تھیں۔

مگر میری دشمن تھیں۔

اور تمہاری والدہ۔؟

شاہد نے ایک مشکل سوال خاتون سے پوچھ لیا۔ جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ الزام دونوں بہنوں پر عائد ہوتا تھا۔ مگر خاتون، ماں کو اس الزام سے بچانا چاہتی تھی۔

ہاں! اماں نے بھی اپنی سمجھ کے مطابق وہی کیا جو انھیں کرنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ ارشد سے ڈر گئی تھیں۔ خالہ کو کوئی ایسا ڈر نہ تھا۔ وہ میرا ساتھ دے سکتی تھیں۔ اور اماں کو سمجھا سکتی تھیں۔

یہ بات نہیں ہے خاتون، شاہد جذبات سے ہٹ کر حقیقت پر اتر آیا اب ذرا اس معاملہ کو ان دونوں کی نظروں سے دیکھو۔ ان دونوں نے تمہارے جذبات کی قدر نہ کی۔ ورنہ ارشد مجھ سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہر لحاظ سے وہ مجھ سے برتر ہے۔ کچھ دنوں کے بعد جب ... ہمارے جذبات سرد پڑ جائینگے اور اس محبت کی جگہ پریشانیاں لے لیں گی۔ پھر بھی سوال اٹھے گا۔ تمہاری

ماں اور خالہ ایک دفعہ پھر یہی کہیں گی کہ ارشد میرے مقابلہ میں بہتر تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ اس وقت تم بھی ان کی بات مان لو اور اپنے کئے پر پچھتاؤ"۔

ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔ لیکن میں اس برتری کو، اپنی محبت پر کبھی ترجیح نہیں دے سکتی۔ میرے لئے ارشد کی دولت، جائداد اور وہ عالیشان مکان۔ جس کی دیواروں پر امارت کے بیل بوٹے نصب ہیں۔ جس کی چہار دیواری میں غرور پرورش پاتا ہے۔ جہاں کی آب و ہوا، خود غرضی اور مطلب پرستی کے جراثیم سے پُر ہے۔ بالکل بیکار ہے۔ وہ ماحول مجھے کبھی سازگار نہیں آتا——اور نہ وہ مجھے ہمیشہ ایسا ہی سمجھتے رہتے۔

"تمہیں یہ اندازہ کیسے ہوا۔؟"

"تم مجھے اتنا بے وقوف کیوں سمجھتے ہو شاہد—— آخر میری نگاہیں بھی، ہر ماحول کا جائزہ لے سکتی تھیں—— اور جب کہ ارشد سے مجھ کو وابستہ کرنے کا منصوبہ ہر شخص کے ذہن میں گردش کر رہا ہو۔ تو کیا میں اس بارے میں کچھ سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔؟"

"نہیں!"

"وہ کیسے؟" خاتون نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اور شاہد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا!

"اس لئے کہ تمہاری تمام تر صلاحیت، تمہاری جذباتی محبت کے حلقے سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔"

"ایسا نہ کہو شاہد!—— میری آنکھوں نے وہ منظر دیکھا ہے جب

ارشد کی والدہ، اپنے بیٹے کے مجبور کرنے پر میرے گھر آئیں۔ اور انکار کا لفظ سن کر اس طرح تیوری دکھاتی ہوئی چلی گئیں ـــــ جیسے میں ان کی زر خرید تھی۔ یا پھر میں نے اور میری ماں نے ان سے کچھ قرض لے کر کھا لیا تھا جس کی ادائیگی نہ ہونے کے سبب وہ اس طرح روکھے اور بے لاگ الفاظ استعمال کر گئیں۔ جو کبھی اور کسی حالت میں، ایک مہذّب گھرانے سے تعلق رکھنے والے کی زبان پر زیب نہیں دیتیں۔"

"جب ارشد تمہارا تھا۔ تو پھر ماں سے تمہیں کیا تعلق رہتا۔؟"

"وہی جو پانی کو تری سے، اور آگ کو گرمی سے ہوتا ہے ـــ دوسرے ارشد کی محبّت بھی دودھ کے ابال سے کسی طرح کم نہیں تھی ـــــ مجھ سے پہلے بلقیس ان کی منظورِ نظر بن چکی تھی۔ اور وہ اس کے شیدائی بنے پھرتے تھے ـــــ مگر جب مجھے دیکھ لیا۔ تو وہ سارا نزلہ میری طرف نازل ہو گیا۔ اور اگر اسی دوران میں، مجھ سے اچھی کوئی مل جاتی تو وہ اس کے متوالے ہو جاتے۔ ایسے انسان پہ بھروسہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔"

"اس کا مقصد ہے کہ اگر ان میں یہ عادت نہیں ہوتی تو تم ....؟"

خاتون نے لقمہ دیا!

"مجھے ان سے کبھی اور کسی وقت کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی ـــــ میں وہ لڑکی نہیں ہوں جو وقت کی رفتار کے ساتھ دل کے سودے کرتی ہے جس کے خیالات، برسات کے بادلوں کی طرح آوارہ مزاج ہوتے ہیں۔ میں نے تو بس، ایک کی ہوں، وہی میری زندگی، میری محبّت ـــــ اور میری خوشیوں کا

مرکز ہے۔ اس کے ہی دامن میں میرے ارمان بسیرا کرتے ہیں۔

زبان سے دل کی ترجمانی کرتے کرتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو شاہد کو احساس ہوا کہ وہ ذرا دیر کے لئے خاتون کو حقیقت کی دنیا میں لے گیا تھا خاتون کا پریشان چہرہ دیکھ کر اسے فوراً ہی یہ خیال بھی آیا۔ کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ باتیں کسی بیماری کے بعد بہت قبل از وقت ہیں —— وہ بات بنانے کے لئے ہنسا۔ جیسے اس نے خاتون سے کوئی مذاق کیا ہو۔

مگر تم تو خلوص کی قائل ہو، جو مجھ میں ہے ارشد میں نہیں —— تم محبت کی قائل ہو جو میں تم سے کرتا ہوں، ارشد نہیں کرتا۔ تم وفا کی قائل ہو جو میرے پاس ہے ارشد کے پاس نہیں۔

خاتون نے اپنی نظریں اٹھا کر شاہد کو دیکھا۔ اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

میں دنیا میں صرف تمہاری قائل ہوں اور تمہارا نام لے کر مرجانا چاہتی ہوں، بس۔

چوبیسواں باب

ہاجرہ بی بی اپنا وطن چھوڑ کر شہر آگئیں۔ اور اپنی بہن کے یہاں مقیم ہوگئیں۔ دونوں بہنیں ایک عرصہ کے بعد ملی تھیں۔ دونوں کی آمدنی کے ذرائع اتنے محدود تھے کہ نہ ہاجرہ بی بی اپنے گھر سے قدم باہر نکال سکتیں نہ ان کی بہن اپنے گھر سے، دونوں حقیقی بہنیں ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر اقتصادی حالات اجازت نہ دیتے تھے۔ یہ افتاد نہ پڑتی تو ہاجرہ بی بی اب بھی سراج نگر نہ چھوڑتیں مگر خاتون کی محبت نے ان سے وطن کی زمین بھی چھڑا دی۔ خاتون سے انھیں بیحد محبت تھی۔ مگر ساتھ ہی اب انھیں اپنی لڑکی سے شکایت بھی ہوگئی تھی۔ خاتون ان کی مرضی کے خلاف چلی، اس نے ماں کو رسوا کرنے کے لئے چوڑیاں پیس کر کھائیں۔ اور اپنی اس حرکت سے سب کو ڈرانا چاہا۔ شاہد سے میل جول بڑھایا۔ مگر اصل دکھ تو انھیں یہ تھا کہ ان کا خود کا راز فاش ہوگیا تھا۔ انھوں نے بہن سے مل کر خاتون کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ ظاہر ہو چکی تھی۔ اور یہ معلوم

کرنے کے بعد کہ خاتون اچھی ہے وہ اسے اپنی صورت نہیں دکھانا چاہتی تھیں۔
وہ لڑکی کے سامنے کس منہ سے جاتیں جب انھوں نے لڑکی کو یہی کہہ کے بھیجدیا
تھا کہ اگر بن پڑے تو شاہد کو آمادہ کرلے۔ ہاجرہ بی بی نے یہ دو طرفہ کھیل کھیلا
تھا۔ اور جس کی وجہ سے انھیں شرمندگی تھی۔

پہلا دن اسی پریشانی میں گیا۔ دوسرے دن بہن کے اصرار پر وہ اسپتال
گئیں۔ ملاقات کے وقت ان دونوں کا منظر قابل دید تھا۔ دونوں کالے برقعوں
میں ملبوس تھیں اور اسپتال کی فضا سے اس طرح ڈر رہی تھیں کہ جیسے گائے
قصائی سے ڈرتی ہے۔ پاؤں ڈالتی کہاں تھیں اور پڑتے کہاں تھے۔ جب یہ
دونوں خاتون کے کمرے میں پہونچیں تو شاہد اور خاتون آپس میں ہنسی مذاق کر
رہے تھے۔ یہ دونوں تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ اور دونوں نے دونوں کو سلام کیا
——— ماں اور خالہ نے خاتون کو دعائیں دیں۔ ان میں سے کوئی شاہد کی
طرف مخاطب نہیں ہوا۔

خاتون بالکل اچھی ہوچکی تھی۔ اور اس نے ماں اور خالہ کے طرز کو محسوس
کرلیا تھا۔ وہ شرمندہ تھی۔ کہ ان دونوں نے شاہد کی طرف بڑی بے رخی سے دیکھا۔
شاہد نے اپنی موجودگی کو وہاں ... ضروری نہ سمجھا اور کمرے سے باہر چلا گیا ـــ
خاتون نے اسے روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکا۔ پھر اس نے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

کیا یہ بداخلاقی نہیں ہے۔؟

بجائے ہاجرہ بی بی کے بہن نے کڑک کر جواب دیا۔

بناوٹی اخلاق سے کوئی فائدہ نہیں۔ جب ہمارا دل ان کی طرف سے

صاف نہیں ہے تو ہم ان کی طرف کیوں مخاطب ہوتے۔؟

دل اس وقت صاف ہو گیا تھا جب میری جان پر بنی تھی۔ رات میں کون دوڑ کر گیا تھا کہ ڈاکٹر کا انتظام کرو۔

ڈاکٹر کا انتظام کیا گیا تو ہم پر احسان نہیں کیا گیا۔ احسان مند ہو تم، ہم سے کیا مطلب۔

خاتون نے ترچھی نظروں سے خالہ کو دیکھ کر کہا۔

آپ مجھے دیکھنے آئی ہیں یا لڑنے۔؟

خالہ نے خاتون کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اور اپنی بہن کو لئے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ہاجرہ بی بی کو اپنی مرضی کے خلاف بہن کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ خود اپنے اوپر کوئی اختیار نہ رکھتی تھیں۔

ان دونوں کے جا چکنے کے بعد شاہد پھر خاتون کے پاس آیا۔ وہ ان دونوں کے برتاؤ سے پھولی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس نے شاہد سے معافی مانگی۔ اور حسرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

شاہد کہنے لگا۔

مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ اور نہ میں نے برا مانا۔ جب تم میری ہو تو مجھے دنیا کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔

مگر مجھے تو اماں پر تعجب ہو رہا ہے۔ وہ بہن کا کس قدر بے جا پارٹ لے رہی تھیں۔

ایسا ہوتا ہے۔ تم نے میرا بیجا پارٹ لیا۔ اس لئے تمہاری ماں کو اپنی بہن

کا لینا پڑا۔

مگر انھوں نے تو یہ ظاہر کیا جیسے وہ تمہیں بھول چکی ہیں۔ جیسے انھوں نے تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔

شاہد نے خاتون کو محبت سے بستر پر لٹا دیا۔ وہ غصہ سے لال پیلی ہو رہی تھی۔ اور بیماری کی حالت میں اس کے لئے اتنا غصہ مناسب نہ تھا۔ شاہد اپنی محبت بھری باتوں سے پھر اس کا دل بہلانے لگا۔

بتاؤ، ہم دونوں میں کون کسے زیادہ چاہتا ہے۔

میں تمہیں زیادہ چاہتی ہوں!

میں تمہیں زیادہ چاہتا ہوں!

ذرا دیر دونوں کی اس پر تکرار ہوئی۔ پھر ایک نرس خاتون کا چارٹ لئے ہوئے آئی۔ اور اسے دیوار پر لٹکا کر دونوں کی باتیں سننے لگی۔ ابھی تک دونوں کی تکرار جاری تھی۔

خاتون نے کہا۔

میں قسم کھا سکتی ہوں کہ میں تمہیں زیادہ چاہتی ہوں۔

شاہد بولا۔

میں تم سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں۔

خاتون نے اکڑ کر کہا۔

جان کس نے کس کے لئے دی تھی؟ کون کس کی خاطر مرے جا رہا تھا۔

بے شک! نرس بیچ سے بول پڑی، قربانی عورت ہی دے سکتی ہے۔

مرد نہیں دے سکتا۔
شاہد بولا۔
اگر بجائے تمہارے اس وقت کوئی ڈاکٹر آجاتا۔ اور وہ ہمارے اس جھگڑے کو سنتا تو وہ جانتی ہو کیا کہتا؟
کیا کہتا۔؟
بے شک، قربانی مرد ہی دے سکتا ہے۔ عورت نہیں دے سکتی۔
نرس ہنسنے لگی۔ وہ جانے ہی والی تھی کہ شاہد نے اسے روک کر پوچھا۔
مس صاحب! تم نے آج تک کسی سے محبت کی ہے؟
پہلے تو وہ ہنسی پھر کہنے لگی۔
"مجھے تو زندگی بھر مریضوں سے سابقہ رہا ہے!"
مریض بھی تو آخر انسان ہی ہوتا ہے۔ کبھی کوئی طرح دار مریض ملا تمہیں!
بہت سے ملے، نرس کہنے لگی۔ مگر جب ان کا مرض اچھا ہو گیا تو مجھ سے یہی کہتے گئے۔
دعا کرو کہ میں کبھی تمہارے وارڈ میں مریض بن کر آؤں۔
یہ دعا تو خاتون مانگ چکی ہے۔
اس نے خاتون کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اور کمرہ سے باہر نکل گئی۔

پچیسواں باب

رات کو جب ہاجرہ بی بی بہن کے گھر سونے لیٹیں۔ تو بڑی رات تک جاگتی رہیں۔ انھیں تنہائی میں طرح طرح کے خیالات پریشان کرتے رہے۔ انھیں اپنا وہ چھوٹا سا گھر یاد آیا۔ جسے وہ تاراج کر کے آئی تھیں۔ اپنے گھر میں لگے ہوئے ایک ایک درخت کا پتہ ان کے ذہن میں گھوم گیا۔ چلتے وقت ان کی مرغیاں کس طرح کڑکڑائی تھیں۔ انھوں نے اپنی زبان میں کس طرح فریاد کی تھی۔ یہ سب کچھ ہاجرہ بی بی کو یاد آنے لگا۔ اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں بہن کے گھر آکر انھیں اپنی چھوٹی سی دنیا چھوڑنے کا بڑا غم تھا۔ مگر یہ سب کچھ انھوں نے اس لئے کیا تھا کہ ان کی لڑکی ان سے جدا ہو چکی تھی۔ جب وہ سراج نگر میں تھیں تو خاتون کے نہ ہونے سے انھیں اپنا گھر کاٹنے کے لئے دوڑتا تھا، اب وہ بہن کے گھر تھیں۔ تو انھیں اپنا گھر بری طرح یاد آرہا تھا۔

ان کے ذہن پر گذشتہ دور کے واقعات ابھر آئے۔ جن کو وہ خاتون

کے سہارے فراموش کر چکی تھیں۔ مگر صرف اس کی ہی بدولت، وہ تلخ حقائق یک بیک ان کی آنکھوں میں پھر سے گھومنے لگے۔ جب خاتون معصومیت کے دور میں، دنیاوی رنج و فکر سے بے نیاز تھی ــــــ تو سراج نگر کا ہر فرد، ہاجرہ بی بی سے گریز کرتا تھا ــــــ ان کی غربت اور بیوگی کے ناسازگار ماحول سے صرف اس لئے کتراتا تھا کہ وہ کہیں دستِ سوال دراز نہ کر دیں۔ جس کا ہاجرہ بی بی کو اچھی طرح اندازہ تھا۔ اس لئے وہ بھی کسی سے ملنا جلنا پسند نہ کرتی تھیں۔

لیکن اگر کوئی ان کے گھر آجاتا تو وہ جس طرح ہوتا خاطر مدارات سے بھی گریز نہ کرتی تھیں ــــــ اس طرح وقت گذرتا رہا ــــــ اور وہ ــــــ زعفرانی بیروں، مرغیوں۔ اور ان کے انڈوں کی دیکھ بھال کے ساتھ خاتون کو اپنے کلیجے سے لگائے سراج نگر کی حسین بستی کی آغوش میں لاکھوں مصیبتوں کو برداشت کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ خاتون جوان ہو گئی۔ اور ہاجرہ بی بی پیری کے دور میں داخل ہو گئیں۔ ماحول بدل گیا۔ دنیا بدل گئی۔ حالات بدل گئے۔

اس طرح خاتون کی جوانی بستی کے ان ہی انسانوں کی نظر میں چڑھ گئی۔ جن کی نگاہیں ہاجرہ بی بی سے ملنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ مگر خاتون کے حسن کا لالچ، دنیا کے ہر امتیاز کو مٹاتا چلا گیا۔ ہر اس تفریق کو رد کرتا چلا گیا جس نے ہاجرہ بی بی کو غریب سمجھ کر پیسے والوں سے دور رکھا تھا۔ اور جس کو پا کر وہ بہت خوش تھیں۔ لیکن یہ کیا معلوم تھا کہ وہ دن بھی قریب ہیں جب سراج نگر کی شفیق سرزمین کو اس طرح چپ چپاتے چھوڑنا پڑے گا۔ کہ جیسے کوئی بہت بڑا مجرم جرم سے بچنے کے لئے راتوں رات سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

وہ بڑی رات تک جاگتی رہیں۔ اور یہی سوچتی رہیں کہ ان کی قسمت ان سے کس طرح پھر چکی ہے۔ چلتے وقت انھوں نے گھر کی چابی محی الدین دوکان دار کو دیدی تھی۔ اور اپنا بھرا گھر اس کے سپرد کر دیا تھا، انھوں نے اسے سب کچھ بتایا تھا کہ کس درخت میں کس قسم کے بیر لگتے ہیں اور بازار میں ان کا بھاؤ کیا ہے۔ کون سی مرغی کتنے انڈے دیتی ہے۔ اور کتنے انڈے کس گھر میں جاتے ہیں۔

ہاجرہ بی بی یہ ساری تفصیل بتا رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔ انھیں اسوقت رونا اس بات پر آرہا تھا۔ کہ ان کی غربت اور ایمان داری کا انھیں کیا صلہ ملا۔ انھیں خدا نے کیا کچھ نہیں دیا تھا۔ ایک گھر، چند درخت، آٹھ مرغیاں، اور ایک لڑکی خاتون، مگر جب یہ ساری چیزیں ان سے چھن گئیں تو آج رات پہلی دفعہ انکے لب شکایت کے لئے کھلے ـــــ وہ عبادت گذار تھیں۔ کم عمری میں بیوہ ہو گئیں۔ ان کے علم میں ان سے کوئی گناہ بھی سرزد نہیں ہوا تھا۔ پھر انھیں یہ سزا کیوں مل رہی تھی۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

ساری رات انھیں خیالوں میں گذر گئی۔ صبح جب اذان کی آواز انکے کانوں میں گئی تو وہ اٹھیں اور وضو کر کے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ نماز ختم کر کے انھوں نے خدا سے یہی دعا مانگی کہ وہ پھر اپنے گھر پہونچ جائیں۔ انکے دل سے خاتون کی محبت نکل جائے۔ اور وہ اپنے درختوں کے نیچے بیٹھ کر اپنی مرغیوں کو چارہ ڈالیں۔ وہ شہر کے ہنگاموں سے ایک ہی دن میں گھبرا اٹھیں۔ اور سراج ہاؤس کی گہما گہمی انھیں ذرا بھی پسند نہ آئی۔

پھر جب کچھ دیر بعد ان کی بہن بیدار ہوئیں اور انھوں نے صبح کی چائے بنائی۔ تو ہاجرہ بی بی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

میں اپنے گھر واپس جا رہی ہوں۔

اتنی جلدی؟

ہاں مجھے تمہارے گھر میں رات بھر نیند نہیں آئی۔

مگر باجی! نہ آتے دیر نہ جاتے۔

کیا کروں، میرا سارا دم اپنی مرغیوں میں اٹکا ہے۔ اگر نہ گئی تو ممی الدین، سب کو بھون کر کھا جائے گا۔

خاتون کو تو اسپتال سے آنے دیجئے۔

خاتون سے اب میرا کیا واسطہ رہا۔ میں نے اپنے دل سے اس کا خیال ہی نکال دیا۔ وہ اچھی ہے، خوش ہے۔ اسے میری پرواہ بھی نہیں ہے۔

اتنا کہہ کر وہ روئیں، اور بہن کے سامنے اپنی محبت چھپانے لگیں۔

خاتون نے آپ کو دربدر کیا باجی۔ لیکن نالائق اولاد کا بھی ساتھ دینا ہی پڑتا ہے۔ اب میری رائے تو یہ ہے کہ دونوں کی ہنسی خوشی شادی کر دیں آپ۔

میں شادی کرنے والی کون ہوتی ہوں۔ ہاجرہ بی بی چڑ گئیں۔ وہ دونوں خود ہی اپنی شادی کر لیں گے۔

اب یہ بگڑی ہوئی بات اسی طرح بن سکتی ہے۔ کہ ہم دونوں بھی، ان کی خوشیوں میں شریک ہو جائیں۔

میں نے سوچا ہی تھا۔ مگر میں اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی۔ شادی میں اگر میں شریک

ہوں تو پھر سراج نگر میں میرا گذر نہیں ہوگا۔ میں ارشد کی والدہ کو کیا منہ دکھاؤنگی۔
ارشد کی والدہ کو منہ دکھانا کوئی ضروری بھی نہیں ہے۔ سراج نگر میں آپکا کون ہے۔ جس کے لئے وہاں جائیے گا۔ چار دیواریں ہیں۔ جن کے لئے آپ اپنی لڑکی کو چھوڑ رہی ہیں۔ میں آپ کی خاطر بُری بنی۔ میں نے شاہد سے بیرخی اختیار کی۔ مگر وہ برا نہیں ہے۔ آپ اس کا مقابلہ ارشد سے نہ کریں۔ ارشد کا گھر اگر امیر ہے تو یہ شاہد کا قصور نہیں۔
ان کی والدہ ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئی تھیں۔ اور خاتون کو مانگ رہی تھیں۔
مگر خاتون کی قسمت خراب تھی تو آپ کیا کریں گی۔؟
قسمت میری خراب تھی۔ خدا نے اگر حسن دیا تھا تو عقل بھی دیتا اسے۔
خدا نے اگر خاتون کو عقل نہیں دی تو اس میں شاہد کا کوئی۔۔۔ قصور نہیں ہے۔
اب ارشد کی شادی بلقیس کے ساتھ ہو جائے گی۔
بلقیس کی قسمت،
ہمارے گھر آئی ہوئی بچھی بلقیس کے گھر چلی گئی۔
ہاجرہ بی بی پھر یہی سب کچھ سوچ کر رونے لگیں۔ انھیں زندگی میں سینکڑوں قسم کے دکھ تھے۔ اور ان غموں کا علاج کسی کے پاس نہ تھا۔ وہ ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنا سامان باندھنے لگیں۔ تو بہن نے انھیں پھر روکا۔
باجی یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟

میں نے کہہ دیا کہ میرا دل نہیں لگتا ہے یہاں۔

دل لگائیے۔ ا سراج نگر واپس جانا آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ لوگ انگشت نمائی کریں گے۔

کرنے دو، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔

باجی! میں نہیں جانے دوں گی آپ کو!

اور اتنا کہنے کے بعد بہن نے وہ سارا سامان کھول ڈالا۔ جو ہاجرہ بی بی باندھ چکی تھیں۔

آپ مصیبتوں کو خود مول لے رہی ہیں باجی۔ لڑکی نے اگر ذرا سا اختلاف کیا ہے تو اسے اتنی بڑی سزا نہ دیجئے۔

خاتون میرے لئے مر چکی ہے۔ میں نے کہہ دیا کہ میں اس کے خیال کو اپنے دل سے نکال چکی ہوں۔

ہاجرہ بی بی نے بڑی بے رخی سے اپنی بہن کیطرف دیکھکر یہ بات کہی۔ اور پھر اپنا سامان باندھنے لگیں۔

چھبیسواں باب

رات نے اپنی سیاہ چادر آہستہ آہستہ پھیلانا شروع کی اور سراج نگر کی بستی پر اندھیرا چھانے لگا۔ پہلے گلیاں ویران ہوئیں۔ پھر بازار کے ... دوکانداروں نے یہ سمجھ کر کہ اب کوئی گاہک نہ آئے گا۔ اپنی دوکانوں کو بڑھانا شروع کیا۔

اس بستی میں ہاجرہ بی بی کے بغیر بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ سارے کاروبار ویسے ہی چل رہے تھے۔ ارشد کے گھر میں ویسی ہی رونق تھی۔ اس کی والدہ اسی طرح زمین پر پاؤں نہ رکھتی تھیں۔ وہ اپنے لڑکے کی محرومی کے باوجود اسیطرح خوش تھیں، بلقیس کے گھر میں ویساہی سناٹا تھا۔ اور اس کی قسمت کے پھول اسی طرح مرجھائے پڑے تھے۔ خاتون کے جانے کے بعد دل کی باتیں کرنے کے وہ سہارے بھی ٹوٹ گئے جن سے وہ ذرا دیر کے لئے بہل جایا کرتی تھی، نہ خاتون نے اسے کوئی خط لکھا۔ نہ اس نے خاتون کو۔ اور اس طرح اسکی زندگی پر ایک سکوت چھاتا چلا جارہا تھا۔

سراج الدین کی حویلی کا چوکیدار اسی طرح اپنے کام میں مشغول تھا۔ رات کو وہ لالٹین اور ڈنڈا پکڑ کر ہمیشہ کی طرح گشت لگاتا اور سونے۔۔۔۔۔۔ والوں سے کہتا "جاگتے رہو"، مال کا کاروبار بھی اسیطرح جاری تھا۔ غرض کہ ساری بستی میں بجز اس کے کہ ہاجرہ بی بی کا گھر تاراج ہو گیا تھا۔ اور کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔

ہاجرہ بی بی کی بات کوئی اگر پوچھتا تو وہ یہی کہتیں کہ ان کی بستی لٹ گئی۔ حالانکہ لٹ ان کا دل گیا تھا۔ اپنے گھر سے دور گھر کے سارے نقشے ان کے ذہن میں موجود تھے۔ اور وہ اپنی بہن کے گھر میں سارا دن ٹھنڈی سانسیں بھرا کرتی تھیں۔ نہ کچھ کھاتی تھیں نہ پیتی تھیں اور چھپ چھپ کر رو دیا کرتی تھیں۔ بہن نے انھیں زبردستی روکا ہوا تھا۔ اس نے ان کا بندھا ہوا سامان پھر کھول ڈالا تھا۔ جس کے بعد ہاجرہ بی بی بھی صبر کر کے رہ رہی تھیں۔ بہن کو یہ علم تو تھا کہ باجی اپنے گھر کی دنیا لٹ جانے سے پریشان ہیں۔ مگر اسے یہ نہیں، معلوم تھا کہ باجی کے دل پہ کیا گذر رہی ہے۔

رات کو جب سراج ہاؤس خاموش ہو جاتا تو ہاجرہ بی بی اپنی بہن کو بتانا شروع کرتیں۔

آج بھی میری مرغیاں سارا دن میرا راستہ دیکھکر اپنے ڈربے میں بھوکی پیاسی بند ہو گئی ہونگی۔ میرے سارے بیر گلہریوں نے کتر ڈالے ہوں گے، دالان کی چھت کمزور تھی۔ برسات آرہی ہے۔ اگر اس کی مرمت نہ ہوئی تو وہ گر جائیگی ان کے تصور میں ہر وقت سراج نگر گھومتا رہتا۔ مگر آج کی رات جب

سیاہ چادر آہستہ آہستہ بستی پر پھیل رہی تھی تو کسی کو یہ خیال تک نہ آیا کہ ہاجرہ بی بی کا شہر میں کیا حال ہے۔ اور وہ اپنی زندگی کس عالم میں گذار رہی ہیں۔

یہاں سب کچھ ویسا ہی تھا۔ ایک ہاجرہ بی بی کے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بلقیس کی ماں نے اپنی لڑکی سے پوچھا۔

خاتون کا کوئی خط آیا؟

جی نہیں۔!

تمہیں تو بڑا ناز تھا۔ ان پر، شہر جاتے ہی بھول گئیں۔

انھیں بھی شہر کی ہوا لگ گئی ہے۔

ماں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

معلوم نہیں دونوں کی شادی ہوئی یا نہیں ہوئی۔؟

رات زیادہ گذر چکی تھی۔ اور ماں بیٹی دونوں گھر کے سارے دروازے بند کر کے اپنے بستروں پر لیٹی ہوئی یہ باتیں کر رہی تھیں۔ حویلی کے چوکیدار کی آواز کہیں دور سے گونجی۔ بلقیس نے ڈر کر ماں سے کہا۔

اماں! سنا ہے رات کو محلّہ میں چور آئے تھے۔

آئے ہوں گے۔ ہمارے گھر تو اللہ کا فضل ہے۔ یہاں آکر کیا لیں گے۔ تم ڈرو نہیں سو جاؤ۔

بلقیس خاموش ہو گئی۔ اسے بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ نہ معلوم خاتون کس حال میں ہے۔ ہاجرہ بی بی تھیں تو ان سے خاتون کی خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔ اب وہ بھی نہیں ہیں۔

ماں نے کہا۔
ساری بستی میں تو یہ مشہور ہے کہ خاتون بھاگ گئی۔
لوگ کہتے ہیں اماں! جو جس کی زبان میں آتا ہے وہ کہہ دیتا ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ شہر کس لئے گئی ہے۔
شادی کرنے؟
اصل میں تو اسے ارشد سے پیچھا چھڑانا تھا۔ اس لئے چلی گئی۔ ہاجرہ خالہ تیار ہو گئی تھیں۔ اس لئے اسے جانا ہی پڑا۔
ہاجرہ بھی خوب تھیں۔ ارشد کی بات چیت کہاں تھی۔ وہ اپنی لڑکی کو خواہ مخواہ بیچ میں گھسیٹے دے رہی تھیں۔ جو کسی کا برا چاہتا ہے.... اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔
رات کو دونوں یہ باتیں کرتے کرتے سو گئیں اور صبح سب سے پہلے ارشد نے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ ماں بیٹی کسی کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس وقت ارشد ان کے یہاں بھولا بھٹکا آسکتا ہے۔
بلقیس نے دروازے کھولے۔ اور ارشد کو کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک گئی، دونوں کی نظریں ملیں اور اتنی ہی دیر میں بلقیس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شکایت کر دی۔ جسے ارشد سمجھ بھی گیا۔ اس نے تلافی کے لئے... ہنس کر پوچھا بھی۔
کیا حال ہے تمہارا؟
مگر بلقیس نے شکایتاً کوئی جواب نہ دیا۔ اور ماں کے پاس چلی آئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ارشد گھر کے اندر داخل ہوا۔

بلقیس کی ماں خوش ہو کر اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ ارشد کی خلاف امید آمد سے ان کے امید کے کھلائے ہوئے پھول پھر تر و تازہ ہو گئے تھے۔ اور بلقیس کی خوشی کی تو انتہا نہ تھی۔ جسے وہ ظاہر ہی نہیں کر رہی تھی۔

ارشد نے بیٹھتے ہی پہلا سوال کیا۔

خاتون کا کوئی خط آیا۔؟

تر و تازہ پھول کمھلا گئے۔ ماں، بیٹی دونوں کو ایک ساتھ احساس ہوا کہ خاتون کا جادو اب تک ارشد کے سر پر سوار ہے۔ مگر اس ..... پژمردگی کو بھی کسی نے ارشد پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور ماں نے بظاہر خندہ پیشانی سے کہا۔

کوئی خط نہیں آیا۔ رات کو میں بلقیس سے یہی کہہ رہی تھی۔ کہ یوں تو بڑا میل جول تھا۔ دونوں میں، مگر شہر جا کر خاتون ایسی بھولی جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی۔

سنا ہے، وہ اپنا گھر محی الدین کو دے گئی ہیں۔

ارشد نے اشارتاً کہا۔ اور ہاجرہ بی بی کا نام نہیں لیا۔

ہاں، سنا میں نے بھی ہے۔ معلوم نہیں ان کی مرغیوں اور درختوں کا کیا حال ہے۔

ارشد کچھ سوچنے لگا۔ ذرا دیر کے بعد پھر بولا۔

خاتون اپنی دھن کی پکی تھی۔

بلقیس نے گھور کر ارشد کی طرف دیکھا۔ اور جس کا مطلب غالباً یہ تھا۔

کیا تم اپنی دمن کے بچے نہیں ہو؟

بلقیس نے یہ بات اپنی نگاہوں سے کہی۔ مگر ماں نے صاف صاف کہہ دیا۔

دل کی لگی بری ہوتی ہے ارشد میاں، ہم بزرگوں کا اب تم سب کے آگے کچھ چلائے نہیں چلتا۔ ہاجرہ کا اپنی لڑکی پر بس نہ تھا۔ تمہاری والدہ تم سے مجبور رہیں۔ میں بلقیس سے۔ ایسا نہ ہوتا تو بلقیس کی شادی شاہد کے ساتھ ہو جاتی اور تمہاری خاتون کے ساتھ۔

شادی کا ذکر چھڑا تو بلقیس ماں کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی۔

ارشد بولا۔

میں نے سنا ہے کہ خاتون کی شادی شاہد کے ساتھ ہو گئی۔

اگر نہیں ہوئی ہے تو اب ہو جائے گی۔ تم اگر میرا کہا مانو، تو خاتون کو بھول جاؤ۔

میں بھول چکا ہوں اور یہی کہنے آپ کے پاس آیا ہوں۔ ذرا دیر میں امی بھی آپ کے پاس آئیں گی۔

امید کے کھلائے ہوئے پھول تر و تازہ ہو گئے۔ بلقیس نے دونوں کی یہ گفتگو سن لی تھی۔ اور وہ دل ہی دل میں خاتون کو دعائیں دے رہی تھی۔ اسلئے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ پورا ہو گیا۔

بلقیس کے ذہن میں خاتون کے وہ تسلی آمیز جملے پھر سے گردش کر گئے۔ اس کا دل ارشد کے خلاف توقع جھک جانے پر، خاتون کا شکر گذار ہو گیا۔ اس کی جوانی، اپنی کامیابی پر جذبات کے ٹھہرے ہوئے سمندر میں تلاطم پیدا

کرنے لگی۔ ان جانی مسرت سے گالوں پر ہلکی ہلکی سرخی چھا گئی۔ آنکھوں میں کشش کے شرارے شراب محبت کا اثر بن کر نظر آنے لگے۔ زندگی کے وہ ادھورے خواب، جن کو وہ اکثر تنہائی کی لمبی راتوں میں دیکھا کرتی تھی۔ پورے ہوتے دکھائی دینے لگے ـــــ فطرت کے تقاضے، ارشد کی آغوش کا تصور پیدا ہوتے ہی بھڑک اٹھے نوجوانی کا اصل زیور جس میں ہزاروں تمناؤں کے باوجود اجتناب پوشیدہ ہوتا ہے اور جس کو عام زبان میں شرم کہتے ہیں۔ اس کی ہر آرزو پر سیاہ چادر کی مانند پھیل گئی۔ اس کا گداز جسم ایک انگڑائی کے بعد پھر اسی طرح ڈھیلا پڑ گیا۔ جیسا کبھی ارشد کی جدائی۔ اور اپنی ناکامی کے سبب رہا کرتا تھا۔ مگر اب اس کی آنکھوں میں وہ زردی نہیں تھی۔ اور نہ چہرے پر وہ افسردگی تھی۔ جو صبح آنکھ کھلنے تک، سائے کی طرح اس کے ساتھ تھی۔

بلکہ اب اسکی جوانی سوگ کی گہری گھاٹیوں سے نکل کر دور بہت دور خیالی کہکشاں کی نقرئی آب و تاب میں ڈوب کر آنے والی ۔ ۔ ۔ ۔ محبت کی اس منزل کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں رات کی سیاہی میں زندگی میں پھنس کر، سحر ہونے تک سکون کے ساحل پر پہونچ جاتی ہے۔

وہی رات بلقیس کے ذہن میں ابھری اور حیا کے بیش بہا تاثرات چھوڑ کر رخصت ہو گئی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اور ایک ٹھنڈی سانس جس میں اس کی تمام امیدیں پوشیدہ تھیں۔ فضا میں بکھر کر کہیں کھو گئیں۔

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے!
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

غالبؔ

ستائیسواں باب

خاتون کو اسپتال سے گھر جانے کی اجازت مل گئی۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ کہاں جائے۔ سراج ہاؤس میں شاہد کے پاس ایک کمرہ تھا۔ جس میں وہ رہ سکتی تھی۔ مگر ابھی وہ ایسا کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی، خالہ کے گھر میں لے جانے سے تکلف ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے لئے ماں اور خالہ دونوں کی نظریں دیکھ لی تھیں۔ اس گھر کے دروازے شاہد کے لئے بند تھے۔ دونوں بہنوں میں سے کوئی بھی اس کا روادار نہ تھا تو پھر خاتون اس گھر میں کیسے رہ سکتی تھی۔ اسپتال میں رہنے کا یہ آخری دن تھا۔ اور اس وقت شاہد، اور خاتون دونوں کے سامنے یہ پیچیدہ مسئلہ درپیش تھا۔ کہ کیا کیا جائے۔ کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی۔

اور آتی بھی کس طرح معاملہ ہی کچھ اس قدر پیچیدہ تھا۔ ایک طرف تو خاتون کو اس کی محبت شاہد سے دوری کے احساس کو محسوس کر کے کانپ رہی تھی۔

اس کا نازک ذہن بار بار گذشتہ دور کے اس خونی ڈرامے کا ایک ایک لفظ یاد کر رہا تھا۔ جس میں اس کی آرزوئیں چند جملوں سے خریدنے کی کوشش کی جا چکی تھی ـــــ اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم رہے تھے۔ جب اس کی ایک چھوٹی سی تمنا کو ماں اور خالہ نے مل کر کتنی خوبصورتی سے کچلنا چاہا تھا۔

مگر وہ اپنی جگہ صادق تھی۔ اس کی محبت پاکیزہ تھی۔ اس کے جذبات عام زندگیوں سے مختلف تھے۔ اس لئے قدرت نے اس پر رحم کے دروازے کھول دیئے۔ ورنہ اپنی زندگی سے موت کا کھیل کھیلنے کے بعد اس منزل تک پہنچنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ جس پر خاتون چل رہی تھی۔

اس کے علاوہ شاہد بھی ان حالات کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا جو خاتون کو اپنے ساتھ رکھنے میں پیش آ سکتے تھے۔ اس کے ... خیالات خاتون کی مشرقی زندگی اور مذہبی پابندیوں کے ساتھ سراج نگر کے ان اصولوں کا جائزہ لے کر رسوائی اور بدنامی کے خوف سے کانپ رہے تھے۔ مگر دل یہ نہیں چاہتا تھا کہ خاتون پھر اس کی نظروں سے اوجھل ہو۔

کیوں کہ ایک دوری کی اس کو اور خاتون کو بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔ جس کے قابل دونوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ "بہر حال جو ہونا تھا ہو گیا" اچانک اس نے خود سے کہا۔ اور آئندہ کے لئے پھر سوچنے لگا ـــــ طرح طرح کے سوالات اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے ـــــ طرح طرح کی رسوائیاں اس کے سامنے سے گذرنے لگیں۔ جو خاتون کے جذبۂ محبت سے لیکن زیادہ بڑی اور وزنی تھی۔

اس لئے محبت کا صرف ایک یہی تقاضا تھا۔ کہ وہ اس کو موت کے چنگل سے ایک بار نکال کر دوبارہ وہاں نہ جانے دے۔ جہاں اس بھیانک ڈرامے کا آغاز ہوا تھا۔ لیکن معاشرے کے اصول دنیا والوں کی زبان، اور بے سبب بدنامی کا مقابلہ کرنا بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ کیوں کہ وہ جہاں بھی جاتا، اور جدھر بھی رہتا، خاتون کی جوانی اور اس کی محبت، غیر مذہبی طور پہ دو زندگیوں کے اس انوکھے میل کو ہر شخص گری ہوئی نگاہوں سے دیکھتا۔ اور جو دل چاہتا کہتا ـــــ دوسرے اس کے حالات بھی اس قابل نہیں تھے کہ وہ کسی اور جگہ رہنے کا انتظام کر سکتا۔

یہی تمام باتیں خاتون کے ذہن میں چکر کاٹ رہی تھیں کہ شاہد اس کو اپنے ساتھ کبھی ہرگز نہ رکھے گا۔ حالانکہ اس کا دل اس کی دنیا اور اس کی ساری امیدیں میرے بغیر لفظ نامکمل ہیں۔ مگر دنیاوی اصولوں کو بھی کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

دونوں کافی دیر تک اسی الجھن میں گرفتار رہے۔ لیکن کوئی حل پھر بھی نہیں نکل سکا۔

سراج ہاؤس کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ بھی تو نہیں ہے۔ جہاں ہم جا سکیں۔ خاتون نے پریشان ہو کر کہا۔ اور بڑی معصومیت سے شاہد کیطرف دیکھنے لگی۔

ٹھکانے بہت ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہم دونوں ایک ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں۔ ایسا کریں گے تو بات حد سے زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور اس قسم کی بدنامی سے ہمیں بچنا چاہیئے۔

میں اتنی جلدی اچھی نہ ہوئی ہوتی تو اچھا تھا۔ ابھی کچھ دنوں اور اسپتال میں رہ لیتی۔

اور اتنا کہنے کے بعد خاتون کے ذہن میں فوراً ایک ترکیب آئی، وہ اپنی سہیلی شاہین سے کیوں نہ اس معاملہ میں رجوع کرلے۔ جو اس کے وارڈ کی نرس تھی۔

شاہین آئی تو اس نے آبدیدہ ہوکر اس سے کہا۔

تم نے مجھے چھٹی تو دیدی سسٹر، مگر میں جاؤں کہاں۔؟

اپنے گھر!

میرا کوئی گھر نہیں ہے، ایک گھر ہے جہاں ان کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے شاہد کیطرف اشارہ کرکے کہا۔

شاہین ہنسی۔ ان کا گذارہ تو تمہارے دل میں ہے۔ اور انہیں کیا چاہیئے!

مذاق نہ کرو شاہین، میں بہت پریشان ہوں۔

مذاق اس لئے کر رہی ہوں کہ میرے پاس ایک کوارٹر ہے۔ میں اس میں اکیلی رہتی ہوں، تم بھی چل کر میرے ساتھ رہو۔

بات ٹھیک تھی مگر ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا انگشت نمائی کی وجہ نہیں بنے گا۔؟

خاتون نے شاہین کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اور سوچنے لگی۔

سوچ کیا رہی ہو؟ شاہین بولی۔ ہاں کردیا نہ، میرا کوارٹر بھی ایک طرح کا اسپتال ہی ہے۔ تمہیں ڈاکٹر نے چھٹی دیدی ہے۔ میں نے نہیں دی، میں ابھی تمہیں

اپنے پاس رکھ کر تمہارا علاج کرنا چاہتی ہوں۔ جو تم پر اعتراض کرے اس سے تم یہی بات کہہ دو۔

ٹھیک ہے، بات خاتون کی سمجھ میں آگئی۔ شاہد نے بھی تائید کی۔

میرے لائق اور کوئی خدمت، شاہین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

بس، مہربانی، شکریہ۔ دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

دوسرے دن خاتون شاہین کے کوارٹر میں چلی گئی۔ بڑا صاف ستھرا گھر۔ انگریزی طریقہ پر سجا ہوا۔ دیواروں پر عریاں تصویریں، کھڑکیوں پر ریشمی پردے ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم، کھانے کی میز، ریڈیو۔ سونے کا کمرہ، جس میں شاہین کا ملائم بستر مسہری پر بچھا ہوا تھا۔ جیسے دولہنوں کا ہوتا ہے۔ خاتون یہ سب کچھ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس نے اپنے دل میں سوچا، ایک جان کے لئے شاہین نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ حالانکہ اگر وہ سادہ طرح زندگی بسر کرتی تو بھی کوئی اسکی جانب انگشت نمائی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی کفیل خود تھی۔ اس لئے کسی کو کچھ کہنے کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی تھی۔

لیکن اس نے اپنے ہر شوق کو قوّت بازو کی مدد سے اس طرح پورا کیا تھا کہ جس طرح عام لڑکیاں اپنے والدین، بھائی، یا شوہر کی دولت سے مہیّا کئے ہوئے سامان عیش پر ناز کرتی ہیں۔

اس نے اپنے چھوٹے سے کوارٹر کے مختصر حدود کو اس خوب صورتی اور احتیاط سے آراستہ کیا تھا کہ جیسے کسی نئی نویلی دولہن کے عروسی کمرے کو یہ لحاظ رکھتے ہوئے ترتیب دیا جاتا ہے کہ یہاں دو اجنبی زندگیاں حسین تصورات

کے بکھرے ہوئے غنچوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر اس طرح قرینے سے ترتیب دیں گی جو ہمیشہ ضیاپاشیاں کرتے رہیں گے۔ مگر اس آرائش میں کبھی اور کسی وقت کوئی کمی نہیں ہوگی ۔۔۔ اور اکثر نہیں ہوتی ہے، لیکن شاہین نے شادی نہیں کی تھی۔ وہ بالکل آزاد تھی اور تنہا اپنے خوبصورت سے کوارٹر میں رہتی تھی۔ جسکے ساتھ اس نے ایک چھوٹا سا خوب صورت باغیچہ لگالیا تھا۔ خاتون کو سکتہ سا، ہوگیا اور اس کے خیالات کسی اور طرف رنگینا شروع ہوئے۔

شاہین کہنے لگی۔

کیوں کیا ہوا تمہیں؟ میرا گھر پسند نہیں آیا؟

اس نے ریڈیو کھول دیا۔ اور فلمی ریکارڈ بجنے لگے اور ساری فضا میں ایک ہیجانی کیف طاری ہوگیا۔

تم کس سوچ میں پڑ گئیں۔ میری سنو۔ شاہین نے خاتون سے بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔ اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

اس وقت شاہین اور خاتون تنہا تھیں۔ شاہد اپنے دفتر میں تھا۔

خاتون بولی۔

میں تمہاری تنہائی پر غور کر رہی ہوں۔ تمہارا گھر ایک دلہن کا گھر ہے۔ مگر تم دلہن نہیں ہو۔

ہاں، یہ عزت تو خدا نے مجھے نہیں دی۔ اور میں اس محرومی کی شکایت بھی نہیں کرتی۔ میں نے خود سے کوئی جنجال نہیں پالا ہے۔ اپنی نیند سوتی ہوں اور اپنی اٹھتی ہوں۔ اور انسانیت کی خدمت کرتی ہوں۔

اس تنہائی میں تمہارا کبھی دل نہیں گھبراتا۔

گھبراتا ہے تو ان کتابوں سے اپنا دل بہلا لیتی ہوں۔ میرے سامنے بہت سے قصّے ہیں۔ مثلاً تمہارا قصّہ کیا دل بہلانے کے لئے کچھ کم ہے۔؟

اس بات پر دونوں کو ہنسی آ گئی۔ پھر دونوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر چائے سے شوق کیا۔ طرح طرح کے بسکٹ شاہین نے خاتون کے سامنے لا کر رکھے، خاتون کہنے لگی۔

تم منتظم بھی بلا کی ہو۔

جو کچھ ہوں تمہارے سامنے ہوں۔ شاہین نے اصرار کیا کہ وہ کچھ کھائے اور زبردستی وہ خاتون کے منہ میں بسکٹ ٹھونسنے لگی۔

چائے کا دور چل ہی رہا تھا کہ شاہد بھی دفتر سے آ گیا۔ خاتون نے شاہد سے پوچھا۔

تم نے شاہین کا کمرہ دیکھا۔ کیسا خوبصورت ہے۔؟

تم سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ بجائے شاہد کے شاہین نے جواب دیا۔ لوگ اپنی بدصورتی کو اسی طرح چھپاتے ہیں۔

شاہین خوبصورت نہ تھی۔ قبول صورت ضرور تھی۔ گھر آ کر جب اس نے اسپتال کے کپڑے اتارے، اور ساڑی باندھی تو وہ اور بھی اچھی لگنے لگی، شاہین کہنے لگی۔ آج میرے گھر میں مہمان آئے ہیں تو میری خوشیوں کی انتہا نہیں۔

ہاں بن بلائے مہمان، خاتون ہنسی۔

شاہین دوڑی دوڑی گئی اور کھانے کا کچھ اور سامان لئے ہوئے واپس آئی۔

تم دونوں کچھ کھا نہیں رہے ہو۔

شاہد خاموشی سے میٹھا چائے پیتا رہا۔ اور سوچتا رہا۔ کہ خاتون اچھی، چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوئی ہے۔ مگر اس کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں، خاتون اس سے بھی ان ہی چیزوں کا تقاضا کرے گی۔ تو وہ کہاں سے اس کے لئے یہ تمام لوازمات اکھٹے کرے گا۔ اور اگر وہ اس کی ایک فرمائش بھی پوری نہ کر سکا تو یقیناً اس کا نازک دل ٹوٹ جائے گا۔ اور وہ میرے لئے کیا خیال کرے گی۔

آخر اس کے خیالات بھی تو گذشتہ دور سے برگشتہ ہوں گے۔ اس کی زندگی بھی اس فیشن کی متمنی ہوگی۔ لیکن میں اس کی یہ آرزوئیں کس طرح پوری کر سکوں گا۔ میرے حالات کس قدر غیر مطمئن ہیں ـــــ میری زندگی کس قدر بے فیض ہے۔ کہ اپنی محبت کا کسی طرح بھی خیال نہیں رکھ سکتا۔ اپنی خاتون کا دل لبھانے کے لئے۔ کوئی ایسی چیز بھی نہیں لا سکتا۔ جس کو وہ میرا خلوص گردان سکے۔

حالانکہ میرے پاس الفاظوں کی کمی نہیں ہے۔ اور دل بھی چیر کر نہیں دکھا سکتا۔ لیکن الفاظ تو اس کی ماں کے پاس بھی کم نہیں تھے۔ مگر اس نے صرف میری وجہ سے وہ سب کچھ فراموش کر دیا ـــــ اور میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ جو اس کو ایک حسین زندگی دے سکوں۔ تاکہ اس کا جھکا ہوا سر ہمیشہ کے لئے بلند ہو جائے۔ یہ خیال ذہن میں آتے ہی شاہد پر افسردگی طاری ہو گئی، اور نہ چائے پی کر کسی کام کا بہانہ کر کے چلا گیا۔

رات کو شاہین نے خاتون کو اپنی مسہری پر سلایا۔ اور خود بھی اس کیساتھ سوئی۔ اس وقت دونوں ایک دوسرے سے زیادہ بے تکلّف ہوئیں۔
تمہیں میری تنہائی پر افسوس تھا، شاہین بولی۔ اور تم ہی نے میری تنہائی ختم کردی —— روشنی بجھا دوں؟ تنہائی کے ساتھ اندھیرا بھی ضروری ہے۔
—— دونوں بڑی دیر تک ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے باتیں کرتی رہیں، پھر سوگئیں۔

اٹھائیسواں باب

سراج نگر میں بلقیس اور ارشد کے مراسم پھر دھیرے دھیرے بڑھنا شروع ہوئے ۔ وہ چیزیں جو خاتون کی موجودگی میں دونوں کے دلوں میں سوئی پڑی تھیں پھر دھیرے دھیرے جاگنے لگیں ۔ ارشد کی والدہ بلقیس کی ماں سے مل کر سب کچھ طے ہی کر چکی تھیں ۔ اب دونوں کے گھروں سے خاتون کی خوبصورتی کا جادو اتر چکا ہے ۔ جس کے اثر سے دونوں گھر تباہ ہو رہے تھے ۔

مگر خاتون کے جاتے ہی ایک طرف تو بلقیس کی خوشیاں لوٹ آئیں ۔ دوسری جانب ، شاہد کی زندگی قدرے استوار ہوگئی ۔ اور تیسرے ارشد میاں کے عشق کی وہ حقیقت بھی واضح ہوگئی ۔ جس کے سہارے وہ بلقیس کے ساتھ ، خاتون اور شاہد کی مسرتوں کا گلا گھونٹنے پر آمادہ تھے ۔ لیکن خاتون کے جاتے ہی کایا پلٹ گئی ۔

بلقیس تو اس لئے خوش تھی کہ اسکی آرزوؤں کے خزاں رسیدہ چمن میں

بہار کا دوبارہ آغاز ہوا تھا۔ جس کو ارشد کے ایک اشارے پر اس نے رات کی تنہائیوں میں بڑے پیار سے لگا کر بہاروں کا انتظار دیکھنا شروع کیا۔ مگر وہ گھڑی نہیں آ سکی جب بند کلیاں پھولوں کی شکل ... اختیار کرتی ہیں۔ اور بھونرا جھوم جھوم کر اس کے شیریں رخساروں کا رس چوستا ہے۔ اسی آرزو میں ایک عرصہ گذر جانے کے بعد، اب وہی دن اس کے قریب تھے۔ جن کے لئے وہ حسرت بھری نگاہوں سے خاتون کو دیکھ کر اس قسمت پر رشک کیا کرتی تھی۔ اس کے حسن کو اپنی مانگ کے سیندور کا دشمن سمجھنے لگی تھی۔

مگر آج، دنیا کی ہر وہ شئے اس کے نزدیک تھی۔ جس کا اس کو انتظار تھا۔ جس کے لئے وہ بیقرار تھی۔ وہی ارشد بہت جلد اس کا ہونے والا تھا۔ وہی بیوفا، پھر وفا کی منزل طے کرتا ہوا اس کے نزدیک آ رہا تھا۔ جس نے اس کی خاموش آنکھوں کو آنسوؤں کے موتی عنایت کئے تھے۔ اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹیں چھین لی تھیں۔

خاندان کے ایک بزرگ شادی کے خطوط لکھنے پر مامور کئے گئے۔ ارشد کی والدہ نے اپنے ارمانوں کو ابھی سے پورا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور مہمانوں کو پہلے ہی مدعو کرنا چاہتی تھیں۔ انھوں نے سوچا اسی بہانہ بستی میں سارے لوگ جمع ہو جائیں گے۔ خط کی عبارت کچھ اس طرح کی تھی۔

نورِ چشمی آرشد سلمۂ کی شادی بلقیس بنت سکینہ بی بی کیساتھ ہونے جا رہی ہے۔ ابھی دن تاریخ نہیں ٹھہری ہے میں چاہتی ہوں کہ یہ مبارک گھڑی کا تعین آپ کے سامنے ہو۔ اس لئے

جتنی جلد ممکن ہو سکے آیئے اور میری ... خوشیوں میں آکر شریک ہو جایئے۔

چشم براہ

والدہ ارشد

گھر گھر جا کر سب کے نام لکھے جنھیں دعوت نامہ دینا تھا۔ سراج الدین کی کوٹھی جا کر وہاں اس خاندان کی فہرست نکلوا کر دیکھی اور پتہ لگایا کہ کون شخص کہاں ہے اور اسے کس پتہ پر خط روانہ کیا جائے۔

ہاجرہ کے گھر تالا لگا تھا۔ کچّی دیواروں کے چھید سے انھوں نے جھانک کر دیکھا۔ انھیں گھر کے اندر زندگی کے کوئی آثار نہ ملے، درخت پانی نہ ملنے کی وجہ سے مرجھائے پڑے تھے۔ مرغیوں کا ڈربا ٹوٹا پڑا تھا۔ اور سارے گھر پر ایک حسرت برس رہی تھی۔ صرف ایک بلی کو انھوں نے گھر کے اندر دیکھا۔ جو آنگن میں بیٹھی ہوئی میاؤں میاؤں کر رہی تھی ——،

ضامن میاں نے گھر کی اس ویرانی کو دیکھ کر ایک اثر قبول کیا۔ وہ ہاجرہ بی بی کے برابر تھے۔ مگر انھیں اس حادثہ کا پتہ نہیں تھا۔ جو اس گھر کے ساتھ پیش آیا۔ سراج نگر میں ایسے ویران گھروں کو دیکھ کر لوگوں کے خیالات کہیں سے کہیں چلے جاتے تھے۔ ضامن میاں بھی اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ہاجرہ پر نہ معلوم کیا افتاد پڑی —— انھوں نے ہاجرہ بی بی کا فہرست میں لکھا ہوا نام کاٹ دیا۔

پھر جب وہ فہرست ارشد کی والدہ کے سامنے پیش کی تو انھوں نے

بتایا کہ ہاجرہ اپنی بہن کے پاس سراج ہاؤس میں ہیں لہٰذا ان کا نام پھر فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ ارشد کی والدہ اپنے ارمانوں کو بہت قبل از وقت پورا کر رہی تھیں۔ ان کے کھیتوں میں ہر قسم کے اناجوں کا ڈھیر تھا۔ ہر قسم کی نعمت گھر میں موجود تھی۔ گائے بھینسوں کی افراط تھی، گھی دودھ ان کی نالیوں میں بہا پھرتا تھا۔ بس کسر تھی تو اس بات کی کہ بہت دنوں سے ان کے گھر میں کوئی خوشی نہیں منائی گئی تھی۔ ارشد ان کا اکلوتا لڑکا تھا۔ اور وہ اس کے سہرے کے پھول دیکھنا چاہتی تھیں۔

خطوط جو عزیزوں کو روانہ ہو رہے تھے۔ وہ ان کی عبارت پڑھتی تھیں اور اپنی طرف سے دو چار لفظوں کا اضافہ بھی کرتی جاتی تھیں، پھر جب فہرست کے مطابق سارے خطوط لکھے جا چکے تو ایک ملازم انھیں گٹھری میں باندھ کر ڈاکخانہ میں ڈال آیا۔

صبح سے ارشد کی والدہ کے گھر میں بستی کے مہمان آنا شروع ہو جاتے۔ رات کو ڈھولک بجنے لگتی۔ اور سراج نگر کی مراسیاں گانا شروع کر دیتیں۔ مالی نے گھر کے دروازے پہ ہری پتّیاں لگانا شروع کر دی تھیں تاکہ پتہ چلے کہ یہ گھر شادی کا گھر ہے۔ بستی کے تمام درزی اکٹھا کئے گئے۔ اور انھیں جوڑے سینے کو دے دیئے گئے۔ ضامن میاں سے کہا گیا کہ وہ شہر جا کر شادی کا سامان خریدیں۔ غرض کہ ارشد کی والدہ نے ساری بستی میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

برخلاف اس کے بلقیس کے یہاں بالکل سنّاٹا تھا۔ اس کی والدہ کے دل میں بھی اپنی لڑکی کے لئے سارے ارمان تھے۔ مگر وہ غریب تھیں۔ انھوں نے

مدت سے اپنی لڑکی کے لئے جہیز جوڑنا شروع کر دیا تھا اور اسی پر اکتفا کئے بیٹھی تھیں ان کا ایک آم کا باغ تھا۔ اور جسے اب وہ بیچنے کا ارادہ کر رہی تھیں تاکہ شادی کے اخراجات پورے کر سکیں ـــــ ارشد کی والدہ جو کچھ کہہ رہی تھیں، اگر بلقیس کے گھر میں ویسا نہ ہو تو اس کا چوتھائی تو ہو ورنہ بستی والے کیا کہیں گے۔ بلقیس کی ماں صبح شام اس فکر میں گھلی جا رہی تھیں۔ پھر ایک دن وہ بھی محی الدین دوکاندار کے پاس گئیں اور اپنے باغ کی بات چیت کی۔

محی الدین کا ایک روزگار یہی تھا کہ وہ سب کی ضرورتیں پوری کرے چنانچہ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

بتایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

محی الدین سب سے یہی کہا کرتا تھا۔ پھر جو خدمت اسے بتائی جاتی تھی اسے وہ کر دیتا تھا۔ بلقیس کی ماں نے جب اس سے باغ کی بات کی تو اسے تعجب نہیں ہوا۔ اور سودا کرنے پر تیار رہا۔ ایک ہزار ایک سو میں معاملہ طے ہوا۔ محی الدین نے تین سال کے لئے وہ باغ لینے کو کہا تھا۔ اور بلقیس کی ماں دو سال کے لئے دے رہی تھیں۔ اس لئے کہ ہر سال اس کی فصل سات سو ساڑھے سات سو کی بکتی تھی۔ مگر پھر مجبوراً بلقیس کی والدہ کو راضی ہونا ہی پڑا۔ اس لئے کہ وہ ضرورت مند تھیں۔

جس دن سے بلقیس کی ماں کو روپے ملے، انھوں نے بھی اپنے گھر میں چھوٹی موٹی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور سب سے پہلے بلقیس نے بیٹھ کر خاتون کو ایک مفصّل خط لکھا۔ جس کی عبارت یہ تھی۔

سراج نگر

۲۹ فروری ۵۹ء

پیاری خاتون

تم تو سراج نگر سے ایسی گئیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ، تمہارا یہ وعدہ کہ تم میرے لئے حالات سازگار بنا کر رہو گی پورا ہو گیا ہے۔ دن تاریخ مقرر ہونا ہے وہ بھی عنقریب طے ہو جائے گا معلوم نہیں کہ تم وہاں کن پریشانیوں میں ہو۔ تم نے جا کر نہ اپنی کچھ خبر دی نہ کسی کی لی۔ بھلا ایسا بھی کیا۔؟

یہ خط تمہیں لکھ تو رہی ہوں مگر خدا کرے یہ تمہارے ہی ہاتھوں میں پڑے۔ خالہ نے اگر میرے خط کو دیکھا تو وہ اپنے دل میں کیا کہیں گی۔

تمہارے جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں کے سارے خوشیوں کے چراغ گل ہو گئے۔ خدا کرے تم بھی شادکام ہو چکی ہو۔ اب تو مجھے اپنی خیریت ضرور لکھدینا۔ اور یہ بھی لکھنا کہ سراج نگر کب آ رہی ہو۔

تمہاری مشتاق

بلقیس۔

بلقیس نے یہ خط چپکے سے بغیر ماں کو بتائے ہوئے ڈلوا دیا۔ اور دل میں سوچنے لگی۔ اب خاتون کو یہاں آنے میں کیا پس و پیش ہے۔ میری شادی ارشد

سے ہو جائے گی۔ خالہ پھر خاتون کو لے کر اپنے گھر میں آ جائیں۔ اور شاہد پھر اپنی سائیکل پر شہر سے ہر سنیچر کی شام کو آ جائیں اور پیر کی صبح کو چلے جایا کریں۔ بلقیس بے چاری یہ سب کچھ سوچنے میں کس قدر معصوم تھی۔ گذرا ہوا زمانہ کبھی پھر پلٹ کر آیا ہے۔

انیتسواں باب

خاتون اپنی نرس سہیلی کے گھر میں مقیم تھی۔ اور شاہین رات دن اس کی خدمت میں لگی ہوئی تھی۔ مگر اس ساری محبت و مروت کی وجہ خاتون کو اب معلوم ہوئی۔ اگر وہ رکھ سکتی تو ہمیشہ خاتون کو وہ اپنے ہی پاس رکھتی۔ مگر خاتون نے ایک شریف ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اور اس کے خیالات اس جیسے نہ تھے شاہین کے گھر رات میں جو لوگ آتے تھے۔ اور ان سے وہ جس قسم کی باتیں کرتی تھی ان سے خاتون کو یہ اندازہ ہو گیا تھا۔ کہ شاہین کس قسم کی زندگی گذار رہی ہے اسے پہلے سے معلوم ہوتا تو شاید وہ شاہین کے گھر میں قدم بھی نہ رکھتی۔ شاہین اپنے دوستوں سے ڈرائنگ روم میں ملتی۔ اور اگر وہ کبھی خاتون کی ایک جھلک انھیں دکھا دیتی تو وہ کبھی اس کے گھر سے جانے کا نام نہ لیتے۔ مگر یہ بات خاتون کے جذبات کے خلاف تھی۔ اور وہ خاتون کی دل آزاری نہیں کر سکتی تھی۔ بلکہ اپنے دوستوں کی ملاقاتوں سے فارغ ہو کر جب وہ خاتون کے پاس آئی تو اس سے اپنی غیر حاضری

کی معافی مانگی۔ وہ معترض ہوتی تو شاہین سن کر جواب دیتی۔
میں جو زندگی گذار رہی ہوں ۔ وہ مردوں کی ہے ۔ تم عورتوں کی زندگی گذار رہی ہو۔

شاہین نے خاتون کے اعتراضوں کو کبھی برا نہیں سمجھا۔ وہ پڑھی لکھی تھی ۔ اور جانتی تھی کہ خاتون کی معلومات بڑی محدود تھی۔ وہ شاہد سے محبت کرتی تھی۔ اور اپنی محبت کے علاوہ دنیا میں اور کچھ نہیں جانتی۔ وہ خاتون کی اس صداقت کو کہ " وہ دنیا میں صرف ایک کی ہو کر رہ گئی ہے" بے وقوفی کہا کرتی تھی۔

خاتون بے انتہا خوب صورت نہ ہوتی تو وہ حسن کے اس مجسمہ کو کبھی اپنے گھر نہ لاتی۔ وہ خاتون کو ایک شاہکار سمجھ کر اپنے گھر لائی تھی۔ اور اس پر عاشق ہو گئی تھی۔ اس نے خاتون کو بہت سمجھایا کہ وہ شادی کے جھگڑوں میں نہ پڑے۔ اور آزاد زندگی گذارے۔ مگر بھلا خاتون ایسی کب تھی۔ جو اسکی بات مان لیتی۔

بلکہ ایک دن تو دونوں میں خوب گرما گرم بحث بھی ہو گئی۔

شاہین نے کہا۔ تمہارا نقطۂ نظر مذہبی ہے۔ میرا دنیاوی۔ تم نے اپنے کو محدود کر لیا ہے، میں نے نہیں کیا۔

خاتون کہنے لگی۔

یہ بات نہیں ہے۔ تمہیں دنیا کی شرم نہیں ہے، مجھے ہے۔

میں نے شرم کو چھوڑ دیا ہے تم بھی اگر میرے ساتھ اس ماحول میں رہو تو شرم کرنا چھوڑ دو گی۔ تم اتنی خوب صورت ہو کہ دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچا سکتی ہو۔

تمہارا کیا مطلب ہے۔ پیشہ کرنے لگوں۔؟

نہیں، بلکہ شادی کرو تو کسی مالدار اور خوبصورت سے کرو، جو تمہاری خوبصورتی کو قائم رکھ سکے۔ بلکہ اس میں اور چار چاند لگا دے۔ خوبصورتی کو زندہ رکھنے کے لئے بڑی دولت چاہیئے۔ ورنہ وہ مرجاتی ہے۔ اور تمہیں، کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم خدا کی دی ہوئی خوبصورتی کو غارت کرو۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ ہے کہ شاہد سے شادی کر کے تم اپنی صورت پر پھٹکار برسا لوگی۔ ایک بچّہ کے بعد دوسرا بچّہ، پھر تیسرا، پھر چوتھا۔ زندگی کی الجھنیں۔ گھر کی پریشانیاں، گندگی۔ غلاظت، تمہاری ایسی نفیس مزاج لڑکی جو اپنی مرضی کے خلاف کچھ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ جو ذرا سی بات میں ناراض ہو کر شیشہ کھا لیتی ہے۔ کیسے ان باتوں کو برداشت کر سکتی ہے۔

خاتون سوچنے لگی۔ اتنے عرصہ ایک غیر مہذب فضا میں رہنے کے بعد اس کی نظر میں بھی تبدیلی آ چکی تھی۔ چار دن کی دولہن کا انجام اس کی نظر میں تھا۔ اس نے سراج نگر میں کتنی لڑکیوں کو دیکھا۔ جو چار دن کے لئے دولھن بنیں پھر گھر کی لونڈیاں بن گئیں۔ شاہین ایسی سدا بہار دولھن کو اس نے پہلی بار دیکھا تھا جو اپنی محنت سے دولہن بنی ہوئی تھی۔ اس کا یہ ریشمی بستر ہمیشہ اسی طرح بچھا رہیگا۔ کھڑکیوں میں یہ رنگین پردے ہمیشہ اسی طرح پڑے رہیں گے۔ اس گھر کی نفاست پر کبھی کوئی زوال نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ شاہین آزاد ہے۔

خاتون اگر کچھ دنوں اور شاہین کے پاس رہتی۔ تو اس کے خیالات بالکل

ہی بدل جاتے۔ مگر اس نے سوچا کہ اب دوسرے طریقوں سے شاہد غریب اس سے چھینا جا رہا ہے۔ میں متلوّن مزاج ہوئی اگر شاہین کی باتوں میں آگئی۔ اور اس کی بتائی ہوئی زندگی گذار دینے پر آمادہ ہوگئی۔ تو پھر کیا ہوگا۔

آج شاہد آیا تو اس کے ہمراہ خاتون کی ماں اور خالہ بھی تھیں۔ اور یہ دونوں اسے لینے آئی تھیں۔ بات یہ ہوئی کہ سراج نگر سے جب ارشد کی شادی کا خط ملا۔ تو انھوں نے شاہد کو بلایا۔ اور اس سے راضی نامہ کر لیا۔

وہ راضی نامہ یہ تھا: شاہد پہلے کی طرح سراج نگر آیا کرے گا۔ ہاجرہ بی بی پھر اپنے اسی مکان میں رہیں گی۔ ان کی نظروں کے سامنے پھر وہی بیر کے درخت اور مرغیاں ہوں گی۔ ارشد کی شادی ہو رہی تھی۔ اور ہاجرہ بی بی کے دل سے خوف غائب ہو رہا تھا۔

شاہین نے ان دونوں بیبیوں کو بڑی محبت سے اپنے یہاں بٹھایا۔ وہ ان کے سامنے گھر کی بہو بیٹی بن گئی۔ جس طرح وہ مریضوں کے سامنے ان کی ماں بہن بن جایا کرتی تھی۔ اور دل لگا کر ان کی تیمار داری کرتی تھی۔ اس کے نزدیک شاہد، خاتون، ہاجرہ بی بی اور ان کی بہن سب عہدِ رفتہ کے مریض تھے۔

خاتون ہنسی خوشی سب کے ساتھ سراج ہاؤس میں آگئی۔ یہ راضی نامہ اسے بھی پسند آیا۔ کہ وہ پھر اپنے گھر میں رہے۔ دنیا اور اس کی دلچسپیاں اتنی مخدوش ہیں کہ ان سے دور ہی رہنا اچھا ہے۔ ورنہ وہ ہر ایک کو اپنی گرفت میں لے سکتی تھیں۔

شاہین نے اپنے یہاں سے خوبصورتی کے اس مجسمہ کو رخصت کر دیا جس کی

قسمت میں برباد ہونا لکھا تھا۔

مگر خاتون خوش تھی۔ اسے اپنی زمین اور اپنے گھر سے ابھی تک ویسی ہی محبت تھی۔ وہ اسی منظر کی متلاشی تھی کہ سنیچر آئے اور وہ تالاب کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول کر شاہد کی سائیکل کا انتظار کرے۔ اس کے نزدیک اس معصوم اور پاکیزہ انتظار میں جو لطافت تھی وہ دنیا کی کسی اور چیز میں نہیں ہو سکتی۔

ماں اور خالہ کے ساتھ رخصت ہوتے ہوئے خاتون نے پھر ایک نظر شاہین کے گھر پر ڈالی۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی خوبصورت دنیا سے رخصت ہو رہی ہے۔

شاہین نے خاتون کے گلے میں بانہیں ڈال کر اسے خوب پیار کیا۔ پھر اس خوبصورت مجسّمے کو اپنے گھر سے دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی اس نے اپنے دل میں کہا۔

یہی خوبصورت لڑکی جب دو سال بعد دو عدد بچّوں کے ساتھ اسے ملے گی تو وہ شاید اسے پہچانے بھی نہ، اسے تعجب تھا کہ خدا..... خوبصورتی کے ساتھ عقل کیوں نہیں دیتا۔

وہ یہی سوچتی رہی، اور خاتون آہستہ آہستہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ تو وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتی ہوئی پھر اپنے اسی کمرے میں آ گئی جہاں کچھ دیر پہلے خاتون کی خوبصورتی رات کی تاریکی میں چاند کی ٹھنڈی اور نقرئی روشنی کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ مگر جس طرح وہ یہ تمام رونقیں لے کر آتی تھی، اسی طرح اپنے حسین اور سادہ دامن میں پھر سمیٹ کر لے گئی تھی۔

خاتون کے جانے کے بعد شاہین کا گھر پہلے سے کہیں زیادہ ... اداس ہو گیا۔ آج یہاں کی ہر شے سوگوار نظر آ رہی تھی۔ جس کا احساس اس کے بے فکر اور آزاد دل کو شدت سے محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی بے نیاز نگاہیں۔ جو ہر وقت شوق کا گہوارہ بنی رہتی تھیں۔ اس وقت اپنی تنہائی پر ویران نظر آ رہی تھیں۔ اس کا دماغ آج اپنی اکیلی ... زندگی کے بارے میں غور کرنے پر مجبور ہو چکا تھا۔

وہ کافی دیر سے خاتون، شاہد، خوبصورتی اور محبت کی ان پر پیچ راہوں میں بھٹک رہی تھی۔ جن کو دو دلوں نے کتنی عظیم قربانی کے بعد، اپنے لئے استوار کیا تھا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا کی ہر پابندی کو توڑ کر، ایک دوسرے سے مل گئے۔

حالانکہ ان کی زندگی میں بہت کچھ رکاوٹیں تھیں۔ بہت بڑے بڑے حادثات چھپے ہوئے تھے۔ پھر بھی وہ ایک ہو گئے ـــــ اور اب کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ کتنی حسین زندگی ہے خاتون کی۔ کتنی خوبصورت ہے وہ۔

میں اس کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ میری زندگی، میرے اصول، اور میرا ماحول، باوجود ہر قسم کی آزادی کے حقیقی مسرت سے بہت دور رہے۔ میرے کئی پرستار ہیں پھر بھی میں اکیلی ہوں۔ یہ گھر صرف میرے لئے ہے۔ میری آرزوؤں کے لئے .... نہیں ہے۔ ورنہ میری یہ گھناؤنی زندگی نہ ہوتی ـــ یہ بے فیض ماحول نہ ہوتا۔

میں بھی کسی کے خوابوں میں ضرور بسی ہوئی ہوتی۔ کاش مجھ سے بھی کوئی ایسی محبت کر سکتا۔ جو رفتہ رفتہ میری تنہائیوں میں شامل ہو کر، اس گھر کی چہار دیواری

میں ویسی ہی خوشیاں بکھیر دیتا جو خاتون کے ساتھ آئی تھیں ـــ اور اس کے ساتھ ہی واپس چلی گئیں۔

شاہین اس قسم کے لاکھوں فرسودہ خیالات میں کھو گئی۔ آج اس کے ذہن میں عورت کی حقیقی زندگی کی ایسی جھلک پیدا ہوئی تھی جس کو اس کے کردار نے ہمیشہ کے لئے چھین لیا تھا۔ اور جواب کبھی اس کے نزدیک نہیں آسکے گی۔

تیسواں باب

دوسرے دن سراج نگر سے ایک اور خط آیا۔ جس میں تاریخ کی اطلاع دی گئی تھی۔ تین مارچ بروز بدھ دونوں کی شادی ہونا قرار پائی ہے۔ اور ارشد کی والدہ نے بے حد اصرار کیا تھا کہ آپ سب شاہد کو لے کر ضرور آئیں۔ اس مبارک موقع پر سارے گلے شکوے دور ہو جائیں گے۔

خط کو پڑھتے ہی ہاجرہ بی بی اور خاتون سراج نگر کے لئے بے چین ہو گئیں۔ ان کا دل چاہنے لگا کہ پر نکل آئیں تو اڑ کر وہاں جا پہنچیں۔ کیونکہ خط میں خلوص کی جھلک کے ساتھ ساتھ گذشتہ حالات بھی نمایاں طور پر تلف نظر آ رہے تھے۔ تحریر کا ہر لفظ ماضی کے تلخ اور فرسودہ خیالات سے پاک تھا۔

اس کے علاوہ ہاجرہ بی بی تو ایک مدت سے اس کی آرزومند تھیں کہ انھیں موقع ملے اور اپنی بہن کو سمجھا بجھا کر سراج نگر واپس چلی جائیں۔ مگر خاتون اور ارشد کے معاملات کی وجہ سے دوراندیش بہن حالات کو مزید خراب کرنا نہیں چاہتی

تھیں۔ اس لئے ہاجرہ بی بی مجبور ہوگئیں۔ اور وطن کی یاد میں ان کا دل زخمی کبوتر کی طرح پھڑکتا رہتا تھا۔

گھر کی یاد سینے میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی تھی۔ زعفرانی بیر دل کے وہ درخت جن کی انھوں نے خاتون کی طرح پرورش کی تھی۔ ہمیشہ ان کی آنکھوں میں گھومتے رہتے تھے۔ مرغیوں کا خیال انھیں آنسو بہانے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔

اور وہ کیسی مبارک گھڑی تھی جب سب نے اپنے وطن کی زمین پر پھر سے قدم رکھا۔ شاہد بھی ساتھ تھا جسے سب سے پہلے ارشد نے دوڑ کر لبیک کہا۔ شاہد نے بھی بڑی گرمجوشی سے ارشد کو لپٹا لیا۔ خاتون ان دونوں کو اسطرح ملتا دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

شادی کے گھر میں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ بظاہر یہ شادی بلقیس اور ارشد کی تھی مگر باطن میں شاہد اور خاتون بھی بیاہے جا رہے تھے۔ اس لئے کہ ان دونوں کی شادی میں اب کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ارشد کی والدہ خوش ہو کر ہاجرہ بی بی کی طرف لپکیں اور انھیں گلے سے لگا لیا۔ اور کہنے لگیں۔

۔ تمہارے گھر میں نوبت کب بجے گی؟ خاتون کی شادی کرنے کا ارادہ کب تک ہے؟

ہاجرہ بی بی بولیں۔

پہلے میں اپنے گھر کو تو دیکھوں، کہ وہ کس حالت میں ہے۔ پہلے اپنے گھر کو ٹھیک کراؤں گی۔ پھر شادی بیاہ بھی ہو جائے گا۔

اور دوسرے دن ہاجرہ بی بی نے محی الدین کو بیس روپے دیئے اور اس سے
اپنے گھر کی چابی لی۔ گھر کھول کر دیکھا۔ تو تقریبًا نہ ہونے کے برابر تھا۔ آنگن پائمال۔
درخت گرے ہوئے۔ ان کی مرغیوں کا کہیں پتہ نہیں۔ انھوں نے اپنے دل میں
سوچا کہ محی الدین میری مرغیوں کو اپنے روپے کا سود سمجھ کر کھا گیا۔ انھیں سب سے
بڑی خواہش اپنے گھر آنے کی تھی۔ اس لئے انھوں نے صبر کیا۔

اس لٹی ہوئی دنیا کو بنانے میں ہاجرہ بی بی کو کتنا عرصہ لگا یہ کوئی نہیں بتا
سکتا۔ سارے لوگ شادی کے ہنگاموں میں لگے تھے۔ مگر ہاجرہ بی بی چاہتی تھیں
کہ وہ اس عرصہ میں اپنا گھر درست کر لیں۔ انھوں نے مزدور لگا کر اپنے گھر کی مرمّت
کرانا شروع کر دی۔ انھیں فکر یہ تھی کہ خاتون کے اس گھر میں آنے سے پہلے یہاں کی
ہر چیز ٹھیک ہو جائے۔ اگلا سنیچر جب آئے گا تو وہ تالاب کی طرف کا دروازہ کھول کر
کھڑی ہو گی۔ اور شاہد کی سائیکل آنے کا انتظار کرے گی۔ پھر سب کچھ ویسا ہی ہو
جائے گا۔ اور اس خوشی میں انھوں نے اندا دھند کام کرنا شروع کیا۔ انھوں نے
نئی مرغیاں لے کر پالیں۔ اور اپنے سوکھے ہوئے درختوں میں پانی دینے لگیں۔

کچھ ہی دنوں میں سب کچھ ویسا ہی ہو گیا۔ شادی کے بعد خاتون اپنے گھر
آ گئی اور شاہد شہر چلا گیا۔ مگر اب خاتون کے چہرے پر اس کی جدائی کے بھیانک
تاثرات نہ تھے۔ اس کے خیالات میں کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے وہ پہلے سے
کہیں زیادہ سرشار نظر آ رہی تھی۔

اس کے پھول سے چہرے پر مسرت کی نایاب سرخی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا
ستہ دل اور مرمریں جسم کس قدر پرکشش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے گلابی

ہونٹ پہلے سے کہیں زیادہ لطیف۔ تبسم کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ اچانک دیکھنے میں ایک سال پہلے کی خاتون اور آج کی خاتون میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ زیادہ ترسنجیدہ رہا کرتی تھی۔ مگر آج اس کی نس نس سے شوخیاں پھوٹ رہی تھیں۔ اس کی زبان پر ایسے جملے رقص کر رہے تھے جن کو سن کر بے ساختہ ہنسی آجاتی یہاں تک کہ خاتون نے ارشد سے سالی بن کر مذاق کیا۔

اب دیکھنا ہے کہ میرے گھر کتنے چکر کرتے ہو تم۔

ارشد بولا۔

جاؤ، تم بڑی بے وفا ہو۔

خاتون نے ہنس کر بلقیس کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھنے لگی۔

سن رہی ہو کیا کہہ رہے ہیں تمہارے میاں؟

ہاں سن رہی ہوں۔ بلقیس بولی ——— وہ بات جوان سے کسی نے کہی تھی۔ اسے دہرا رہے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ میں نے نگاہوں سے کہا تھا یہ زبان سے کہہ رہے ہیں۔

شادی کے بعد بلقیس کے گھر میں سارا دن ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ ارشد اپنی سسرال آیا تھا۔ اور سارے مہمان چل کر یہیں آگئے تھے۔ دوسرے دن سنیچر تھا۔ اس لئے خاتون صبح ہی سے اپنے گھر آگئی۔

پھر جب شام ہوئی تو اس نے تالاب کی طرف کا دروازہ کھولا۔ تقریباً ایک سال کے بعد پھر وہی سارا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ تالاب کا

پانی، بازار، اس کے بعد کلوار کی دوکان اور پھر حدِ نظر تک کچھ نہیں —— بہت دور پر کوئی چیز ابھری، وہ ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی ۔ دیکھتی رہی۔ اس کی نظروں کے سامنے اسکی خوشیوں کا مجسّمہ موجود تھا۔ شاہد کی سائیکل سامان سے لدی پھندی چلی آرہی تھی۔ آج کتنے دنوں بعد اسے یہ دن نصیب ہوا تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ اس ذرا سی خوشی کے لئے کیا کیا نہ ہوا۔

اماں کا گھر برباد ہوا۔ میری رسوائی ہوئی۔ شاہد کو رنج پہنچا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ حالات بگڑ بگڑ کر پھر بن گئے۔

خاتون کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملائے جنھیں وہ اپنے دوپٹّہ کے دامن سے پونچھ کر مسکرا دی۔ شاہین کا خوبصورت مجسّمہ خود اپنی خوشیوں کا مجسّمہ بنا ہوا تھا۔

اکتیسواں باب

خاتون کے آتے ہی بستی کے سارے لوگ۔ ہاجرہ بی بی پہ مہربان ہو گئے۔ وہ لوگ جو کبھی اس اجڑے ہوئے گھر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ اب پھر خیریت پوچھنے کے بہانے آنے لگے۔ ان لوگوں سے ہاجرہ کو یہ شکایت کبھی نہیں ہوئی کہ وہ پہلے کیوں نہیں آتے تھے اور اب کیوں آتے ہیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ خدا کی قدرت کا ظہور اس کے گھر میں پہلے نہ تھا۔ اب خاتون جوان ہو گئی ہے اور جوانی میں کوئی بدصورت عورت نظر انداز نہیں کی گئی۔ تو پھر خاتون کیسے کیجاتی آنے والے پھر دنیا دار بن کر آتے تھے۔ اور خاتون کی جوانی نے انھیں مخلص بنا دیا تھا۔ اب پھر انہیں یہی فکر تھی کہ وہ کس طرح ہاجرہ کے کام آئیں۔ دنیا میں بھائی چارہ اور برادری کے اصول ہمیشہ سے رائج ہیں مگر لوگ اب دوسری بار پھر ان کا استعمال کر رہے تھے۔ یہی لوگ اس وقت ہاجرہ کے گھر کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ جب ماں بیٹی نے بغیر کچھ کھائے ہوئے رات بسر کی۔ یا اس وقت

جب ہاجرہ نے اپنا گھر محی الدین کے پاس گروی رکھایا۔ خاتون دوسری مرتبہ پھر مرتے مرتے بچی اور ہاجرہ کو کوئی ایسا نہ ملا جو شہر تک جانے کا انھیں کرایہ دے دیتا۔ سراج نگر کی اس خوب صورتی کو لوگ بھول گئے تھے۔ مگر خاتون نے یہاں آکر نئی رنجشوں کو پھر ختم کر دیا تھا۔ سارے رشتے پھر زندہ کئے۔ پھر ان میں جان ڈالی اور اپنی خوبصورتی سے ماں کے وقار کو پھر بلند کیا۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود شاہد کو ہاجرہ بی بی سے دکھ پہنچا تھا۔ اور اسکی آنکھوں میں ابھی تک شکایت تھی۔ مگر خاتون نے ایک بات کہہ کر اس کی شکایت دور کر دی۔ بہت دن ہوئے جب یہی بات خاتون نے شاہد سے کہی تھی۔ جسے آج وہ پھر دہرا رہی تھی۔

"اماں میری دشمن نہیں تھیں۔ وہ جو کچھ چاہتی تھیں اس میں ان کی نیت کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اور سب سے بڑی بات کہ میں خود بے وفا نہ تھی"

شاہد مسکرا دیا۔ اور اس نے خاتون کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ تو محبت زہرباں ہوگئی۔ اور دونوں جوانیاں، اچھوتے جذبات کی تیز رو میں بہنے لگیں۔ آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑ گیا۔ ذہن سے یہ بات زائل ہوگئی کہ دونوں ابھی ایک دوسرے کے لئے غیر ہیں۔ مذہب اور سماج کی نظریں دونوں کو علیحدہ تصوّر کرتی ہیں۔

لیکن محبت کا رشتہ اور جوانی کی امنگیں، جب آپس میں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں، تو دنیا کا ہر اصول، ہر طریقہ اور ہر پابندی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر تو بس یہی دل چاہتا ہے کہ یہ لمحات جس قدر بھی طویل ہوں کم ہے ——

یہ ماحول جتنی دیر بھی قائم رہ سکے، وہ تھوڑا ہے ——— اس لئے خاتون اور شاہد بھی بھول گئے - اور شاید -

اب ہمیشہ ہی بھولے رہیں گے -

ختم شد -

پاگل

محبّت کی نہیں جاتی۔ ہو جاتی ہے اور جب دل کو محبّت اپنا نشیمن بنا لیتی ہے تو پھر وہاں سے اپنا ڈیرا نہیں اٹھاتی۔ محبّت کسی ضابطہ، کسی اصول اور کسی نظام کی پابند نہیں ہوتی، وہ خود ہی اپنا اصول ہے، آپ ہی اپنا ضابطہ اور نظام بھی، دیارِ محبّت میں انتقام و دعویٰ کی شنوائی نہیں عشق کے مذہب میں کینہ و عداوت سے بڑھ کر کوئی شے حرام نہیں یہاں سب سے بڑی عداوت یہ ہے کہ قاتل تیغ لے کر آئے تو سر جھکا دیجیے اور ہو سکے تو بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو چوم لیجیے۔ محبّت کی کیفیت بھی کتنی عجیب ہوتی ہے کہ خود بخود ایک شخص دل میں سما جاتا ہے اور شاید اسی کا نام محبّت ہے —— محبّت کرنے والوں کو دنیا والے دیوانہ یا پاگل کہتے ہیں۔ رئیس احمد جعفری نے ایک ایسے ہی محبّت کرنے والے پاگل کی داستان کو ناول کے روپ میں پیش کیا ہے۔

قیمت چھ روپے۔

شمع بک ڈپو آصف علی روڈ۔ نئی دہلی

ایک دل ہزار غم

میں ناگن نہ تھی مگر میرے جسم پر سانپ کا نشان ضرور تھا، میں منحوس نہ تھی مگر لوگ مجھے نفرت سے یاد کرتے تھے، میری جوانی اور رنگ و روپ میں دنیا نے زہر ملا دیا۔ زمانے کے ہاتھوں ستائے ہوئے ایک دل کی کہانی "ایک دل ہزار غم"

قیمت ۲ روپے ۵۰ نئے پیسے

جاتی ہوئی بہار

دنیا کی نگاہوں میں رعنا جاتی ہوئی بہار تھی۔ لیکن دو بار بیوہ ہونے کے بعد بھی اس کے ارمان کنوارے تھے۔ اس کے دل میں خواہشیں اور امنگیں تھیں۔ شباب و محبت کی پوری داستان وحشی محمود آبادی نے انتہائی دلدوز ناول کی صورت میں پیش کی ہے۔

قیمت ۴ روپے

شمع بک ڈپو آصف علی روڈ نئی دہلی

Scanned by CamScanner

ایک ایسے بے غیرت بھائی کی کہانی، جو اپنی بہن کی سفارش کے ذریعے پٹواری اور تحصیل دار سے لے کر تھانے دار تک سے جو چاہتا کرا لیتا۔

ایک ایسی بے غیرت بہن کی کہانی، جو اپنے بھائی کے ہاتھوں کا کھلونا بنتے بنتے، اپنے کام میں طوائف سے بھی زیادہ ماہر ہو گئی۔

ایک ایسے بے غیرت سماج کی کہانی، جہاں ایک عورت کے حُسن کے متوالے سرکاری افسر ایک دوسرے کے رقیب بن گئے۔

مضطر ہاشمی کا انتہائی دل چسپ اور انوکھا ناول۔

قیمت ۴ روپے ۴۵ نئے پیسے۔

شمع بک ڈپو۔ آصف علی روڈ۔ نئی دہلی۔

یہ دیہات کی فضا میں لہلہاتے ہوئے دو پھولوں کی کہانی ہے
—— بیلا، جس نے اپنی روح کی تمام گہرائیوں سے یش پال کو چاہا۔
مگر جب یش پال نے اسے اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر بھاگ چلنے کو کہا
تو وہ اپنے باپ کی عزّت کے سامنے اپنی محبّت کو قربان کرنے پر آمادہ
ہو گئی۔ اور، اسی لئے اس نے یش پال کی محبّت اور اپنے باپ کی عزّت
دونوں کی پیشانی پر اپنے خون کا ٹیکا لگا دیا۔

ان دو پھولوں پر آئی ہوئی بہاروں اور خزاؤں کی کہانی عادل
رشید کے قلم سے پڑھیے۔

قیمت ۳ روپے ۹۵ نئے پیسے۔

کانٹے
ایک بزدل اور ڈرپوک دوشیزہ کی کہانی ـــــ جس کے آنچل میں کلیاں نہیں کانٹے تھے، جس کے دامن میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ یہ کانٹے پھول کب بنے؟ یہ شعلے کب بجھے؟ ـــــ
رضیہ سجاد ظہیر کا ایک بے حد دلچسپ انوکھا رومانی ناول کانٹے جس کی فوٹو آفسیٹ کے ذریعے نہایت خوشنما طباعت کرائی گئی ہے۔
قیمت ۳ روپے ۹۵ نئے پیسے۔
شمع بک ڈپو۔ آصف علی روڈ۔ نئی دہلی

Scanned by CamScanner